Late Allama Barakat Ullah, M.A

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

WAS JESUS SENT TO THE LOST SHEEP OF ISRAEL ONLY?

BY

Late Allama Barakat Ullah, M.A.

"میں دنیا کو نجات دینے آیا ہوں" قول المسیح (یوحنا ۱۲: ۴۷)

اسرائیل کا نبی

یا

جہان کا منجی؟

مصنفہ

مرحوم علامہ برکت اللہ ایم۔اے

۱۹۳۸ء

شمالی ہندوستان کی کلیسیا

کے

مائہ ناز مصنف۔ عالم بے بدل

زبدۃ المتکلمین ۔ امام المفسرین ۔ سلطان المناظرین

جناب مولانا پادری سلطان محمد پال صاحب

پروفیسر عربی۔ مشن کالج۔ لاہور

کی خدمت بابرکت میں

یہ ہدیہ

پیش کرتاہوں

ع گر قبول افتدزہے عزوشرف

برکت اللہ

فہرستِ مضامین

مقدمہ

چند سال ہوئے مرحوم خواجہ کمال الدین قادیانی نے مسیحیت کی عالمگیری اور بے نظیری پر ایک ایسے نکتہ نگاہ سے حملہ کیا تھا جس کو اگرچہ علمائے مغرب نے بوسیدہ اور مردود قرار دیدیا ہوا تھا لیکن وہ پنجاب کے سادہ لوح طبقہ کے مسلمانوں کے لئے ایک نیا نظریہ تھا۔ مرحوم نے اپنی کتاب میں بزعم خود پادری ڈاکٹر ٹسڈل صاحب کی بے عدیل کتاب ینابیع الاسلام کا الزامی جواب دینے کی کوشش کی تھی کہ اگر اسلام مختلف مذاہب سے مرکب ہے تو مسیحیت کے عقائد ورسوم بھی رومی یونانی مذاہبِ باطلہ سے ماخوذ ہیں۔

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روش لطف وستم اور

مدت ہوئی جرمنی اوردیگر ممالک مغرب کے مسیحی اور غیر مسیحی علمانے اس نظریہ کو باطل اور بے بنیاد ثابت کرکے اس کی دھجیاں اڑادی تھیں چنانچہ اس حقیقت کو ہم نے اپنی کتاب نور الہدیٰ کے دونوں حصوں میں واضح کردیا تھا اور یہ ثابت کردیا تھا کہ مسیحیت کے عقائد اور رسوم مذہب اسلام کی طرح ہرگز اساطیر الاولین نہیں ہیں کیونکہ مشرکانہ مذاہب باطلہ کے اعتقادات اور رسمیات میں اور مسیحیت کے اعتقادات اور رسمیات میں زمین آسمان کا فرق ہے اوروہ ایک دوسرے کے عین ضد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں میں تصادم اور جنگ واقع ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کلُ جہان نے مسیحیت کی بے نظیری اورعالم گیری کا لوہا مان لیا اور کامیابی کا سہرا مسیحیت کے سر پر رہا۔

ع۔ اے تاج دولت برسرت از ابتدا تا انتہا۔

ہم نے اپنے رسالہ "صحت کتب مقدسہ" میں یہ ثابت کردیاہے کہ بائبل شریف کی صحت جس میں مسیحیت کی تعلیم درج ہے ایسی بے نظیر اوراعلیٰ پایہ کی ہے جو کبھی دنیا کے کسی دوسرے مذہب کی کتاب کو نصیب نہیں ہوئی۔ پھر ہم نے اپنے رسالہ "کلمتہ اللہ کی تعلیم" میں یہ ثابت کردیاہے کہ یہ تعلیم جس کی صحت کا پایہ اس قدر لاجواب۔اعلیٰ اور ارفع ہے عالمگیر اصولوں پر مشتمل ہے اوردنیا کے کسی مذہب کی تعلیم اس کے اصول کی بلندی کو نہیں پہنچ سکتی۔ ہم نے اپنے رسالہ " دین فطرت اسلام یا مسیحیت" میں یہ ثابت کردیاہے کہ صرف مسیحیت کی تعلیم ہی انسانی فطرت کے تمام تقاضاؤں کو پورا کرسکتی ہے اور کرتی ہے پھر ہم نے اپنے رسالہ " مسیحیت کی عالم گیری" میں یہ ثابت کردیاہے کہ صرف مسیحیت کے اصول اور ابن اللہ کی شخصیت ہی جامع اور عالم گیر ہے۔

مسیحیت کی بے نظیری کی واضح حقیقت کے باوجود بعض غیر مسیحی برادران یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سیدنا مسیح کا مشن عالم گیر نہ تھا اور اس انکار کے ثبوت میں وہ بالعموم دوانجیلی آیات کو پیش کیا کرتے ہیں جن میں منجئی کونین کے دواقوال مندرج ہیں اوروہ آیات حسبِ ذیل ہیں:

(۱۔) مقدس متی کی انجیل میں خداوند کا یہ قول ہے" میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور کے پاس نہیں بھیجا گیا۔"(۱۵ باب آیت ۲۴)۔

(۲۔) کلمتہ اللہ کاایک قول اسی انجیل میں ہے" یسوع نے ان بارہ کو بھیجا اوران کو حکم دے کرکہا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا۔ اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا اورچلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے"(۱۰ باب آیت ۵ تا ۷)۔

مذکورہ بالاآیات کی بنا پر بعض معترضین کہتے ہیں کہ جنابِ مسیح مرسل من اللہ تو تھے لیکن منجئی عالمین نہ تھے۔آپ کی رسالت صرف اہلِ یہود تک ہی محدود تھی لہذا آپ کا پیغام عالم گیر نہ تھا۔

اس مختصر رسالہ میں ہم کلمتہ اللہ کے مذکورہ بالا کلماتِ طیبات پر غور کرینگے تاکہ معلوم کریں کہ آیا مخالفین کے اعتراضات صحیح اور حق بجانب ہیں کہ نہیں۔ ہم اہل یہود کے نصب العین اور تاریخ پر انبیائے اسرائیل کی کتب اور خود سیدنا مسیح کے اقوال و معجزات اور آپ کے احکام پیغام اور پروگرام اور طرزِ عمل پر۔ کلمتہ اللہ کے حوارئین اور مبلغین کے اقوال وافعال وہدایات پر اور کلیسیائے جامع کے لائحہ عمل اور کارناموں پر ایک مختصر نظر ڈال کر مندرجہ بالا اعتراض کی صحت کو جانچینگے اوران کی روشنی میں ابن اللہ کے ہر دو اقوال کی صحیح تفسیر کو سمجھنے کی کوشش کرینگے تاکہ وہ معترض جو صدق دل سے ان آیات کی بنا پر مسیحیت کی عالمگیری کو نہیں مانتے اپنے نظریہ کی نظر ثانی کرکے منجئی عالمین پر ایمان لاکر حیاتِ ابدی حاصل کریں۔ وَمَا توفیقی الا باللہ .

ہولی ٹرنٹی چرچ۔ لاہور

یکم جولائی ۱۹۳۸ء

برکت اللہ۔

فصل اوّل

اصُولِ تفسیر

اس سے پہلے کہ ہم اُن آیات پر غور کریں جن کا ذکر مقدمتہ الکتاب میں کیا گیا ہے یہ مناسب معلوم ہوتاہے کہ ہم ناظرین کا کتابِ مقدس کی تفسیر کے صحیح اصُول سے جو مخالف وموالف دونوں کے نزدیک مسلم ہیں تعارف کرادیں تاکہ ان کو معلوم کرکے ناظرین خود آیاتِ مذکورہ بالا کی صحیح تفسیر کو جانچ سکیں۔ اگر اعتراضات کی بنا صحیح اصول تفسیر کے خلاف ثابت ہوجائے توان اعتراضات کے غلط ہونے میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہوگی۔ لیکن اگر یہ اعتراضات صحیح اصول کے مطابق ہونگے توان کے حق بجانب ہونے میں کسی کو کلام نہ ہوگا۔

تفسیر کا صحیح اصل یہ ہے کہ کسی قول کی صرف وہی تفسیر صحیح ہوسکتی ہے جو قائل یا کہنے والے کے اصلی مفہوم اور حقیقی منشا کو ظاہر کرے ۔ پس اگر کسی قول کی تاویل ایسے طریقہ سے کی جائے جو کہنے والے کے اصلی منشا کے خلاف ہو تووہ تاویل باطل اور گمراہ کن ہوگی۔ اس قسم کی تفسیر محض من گھڑت ہوگی اور اربابِ دانش کے نزدیک اس کی وقعت اور قدر صفر سے زیادہ نہ ہوگی۔

پس لازم ہے کہ جب ہم کسی شخص کے قول کی تاویل یا تفسیر کریں تو اس بات کا لحاظ رکھیں کہ وہ تفسیر کہنے والے کے خیالات کے مطابق ہو۔ اس کے جذبات کی صحیح ترجمانی کرے اور اس کے افعال اور طرزِ عمل سے اس تاویل پر روشنی پڑے تاکہ وہ قائل کے خیالات، جذبات اور افعال کا مظہر ہو۔ صحیح تفسیر کے لئے لازم ہے کہ وہ عبارت کے سیاق وسباق کا لحاظ رکھے اور کتابِ مقدس کے الفاظ ومحاورات سے اس تفسیر کی تائید ہوتی ہو۔ جو تفسیر اس اصول

کے خلاف ہو گی وہ تفسیر القول بما لا یرضی بہ قائلہ متصور ہو گی ۔ یعنی وہ ایسی تاویل ہو گی جو قول کے کہنے والے کے مطلب ومنشا کے خلاف ہو گی۔ لہذا وہ تفسیر باطل اور ناقابل اعتماد ہو گی ۔ اس قسم کی تاویل کو جو خلاف سیاق کلام ہو اور خلاف الفاظ انجیل جلیل ہو کوئی صحیح العقل شخص قبول نہیں کرسکتا ۔ اور اگر کوئی شخص اس قسم کی تفسیر کرنے پر اصرار کرے تو وہ صحیح تفسیر نہیں بلکہ فضول بحث اور مکابرہ ہو گا جس کے خلاف ہم کو انجیل شریف میں متنبہ کیا گیا ہے (۱ ۔ تمطاؤس ۶: ۴وغیرہ)۔

پس اگر کوئی شخص انجیل جلیل کی کسی آیت کی یا سیدنا مسیح کے کسی قول کی اس طور پر تفسیر کرے جو سیدنا مسیح کے حقیقی منشا کے خلاف ہو اور آپ کے کلماتِ طیبات، احکام وہدایات اور پیغام وپروگرام اور طرز عمل کے مطابق نہ ہو تو اس تفسیر کے غلط ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا۔ جو تفسیر کلمتہ اللہ کے خیالات، الفاظ اور جذبات کی صحیح ترجمانی نہ کرے بلکہ ایسے معنی بیان کرے جو سیدنا مسیح کے مطلب ومقصد کے عین نقیض ہوں تو وہ تاویل یقیناً صحیح تاویل کہلانے کی مستحق نہیں ہوسکتی۔

علاوہ ازیں اگر ایسی تاویل نہ صرف کلمتہ اللہ کے خیالات وجذبات ہدایات واحکام وافعال کے خلاف ہو بلکہ ایسی ہو جو کہ آپ کے حواریین کے خیالات وجذبات واحکام اور طرز عمل کے بھی خلاف ہو تو ایسی تفسیر کے غلط ہونے میں شک کی گنجائش نہیں رہ سکتی۔

مزید برآں اگر یہ تاویل ایسی ہو جو نہ صرف منجئی عالمین اور آپ کے حواریین کے خیالات وجذبات واحکام او رپیغام، ہدایات پروگرام اور طرز عمل کے خلاف ہو بلکہ جمہور کلیسیائے جامع کی ہدایات اور طرز عمل کے بھی خلاف ہو تو اس تاویل کے مردود ہونے میں کسی شخص کو کلام نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ایسی تاویل وہ معنی بیان کرتی ہے جو نہ کلمتہ اللہ سمجھے نہ آپ کے حواریین نہ آئمہ اور آبائے کلیسیا جامع اور نہ عامہ مسیحین۔ ایسی تفسیر انجیل جلیل کی آیات کے وہ معنی بتلائیگی۔ جو نہ عبارت کے الفاظ سے نکلتے ہیں نہ سیاق کلام کے مطابق ہیں بلکہ وہ تاویل ایسی ہو گی جو کلمتہ اللہ کے منشا اور انجیل کے مقصود اور حواریین اور آبائے کلیسیا کی ہدایات کی جو اصلی غرض ہے۔ ان سب کے خلاف ہو گی ۔ پس اس قسم کی تاویل صریح اور صاف طور پر غلط اور ناقابل قبول ہو گی۔

بعض غیر مسیحی اصحاب اس قسم کی غلط تاویل کو کام میں لا کر دو انجیلی آیات کی اس طور سے تفسیر کرتے ہیں جس طرح نہ تو خود کلمتہ اللہ نے سمجھا تھا نہ آپ کے حواریین نے ۔ نہ آبائے کلیسیا نے ۔ نہ کلیسیائے جامع اور نہ جمہور مسیحیوں نے بلکہ یہ تاویل اس قسم کی ہے کہ جس سے انجیل کا اصل مقصود ہی فوت ہو جاتا ہے۔ یہ تفسیر کلمتہ اللہ کے خیالات ، انجیل کے الفاظ اور سباق عبارت اور اس کے عام منشا سے کچھ مناسب اور مطابقت نہیں رکھتی۔ یہ اصحاب انجیل کی آیات کو اس طرح ماؤل کردیتے ہیں کہ وہ تاویل ایسے درجہ پر پہنچ جاتی ہے کہ اس پر تاویل کا لفظ بھی صادق نہیں ہوسکتا ۔ مشہور ہے کہ

ع۔ برعکس نہند نام زنگی کافور

اس قسم کی تاویل کے ذریعہ یہ اصحاب ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سیدنا مسیح کا مشن عالم گیر نہ تھا اور آپ منجئی عالمین نہ تھے۔ اس انکار کے ثبوت میں وہ بالعموم دو آیات کی تفسیر وتاویل پیش کرتے ہیں جن میں منجئی کونین کے دو اقوال مندرج ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ مقدس متی کی انجیل میں وارد ہوا ہے کہ " میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور کے پاس نہیں بھیجا گیا ۔"(متی ۱۵ : ۲۴)اور کہ آپ نے شاگردوں کو حکم دیا کہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔ غیر قوموں کی طرف نہ جانا۔" (متی ۱۰ : ۵)۔

مذکورہ بالاآیات کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ کلمتہ اللہ کو یہ احساس تھا کہ آپ مرسل من اللہ ہو کر صرف قومِ یہود کے لئے آئے تھے اور آپ کا پیغام صرف اہلِ یہود کے لئے ہی تھا نہ کہ دیگر اقوامِ عالم کے لئے ۔ آپ کی ہمدردی کا حلقہ قوم اسرائیل سے زیادہ وسیع نہ تھا اور آپ

کے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہ آئی تھی کہ آپ کا پیغام اسرائیل کے علاوہ کسی اور قوم کے لئے ہے چہ جائیکہ وہ کلُ بنی نوع انسان کے لئے ہو۔

اگر یہ ثابت ہوجائے کہ مذکورہ بالا تاویل کلمتہ اللہ کے خیالات وکلمات وجذبات وہدایات ،پیغام واحکام اورآپ کے لائحہ عمل اور طرز عمل کے مطابق ہے تو اس کے صحیح ماننے میں کسی صاحب عقل کو کلام نہ ہوگا لیکن اگر یہ ثابت ہوجائے کہ یہ تفسیر اورتاویل سیدنا مسیح کے خیالات وکلمات وجذبات وہدایات واحکام اور آپ کے لائحہ عمل اور طرز عمل کے عین خلاف ہے اور ان الفاظ سے آپ کے حوارئین وہ مطلب نہ سمجھے جو یہ تاویل ہم کو سمجھانا چاہتی ہے بلکہ ان حوارئین کے خیالات کلمات ہدایات احکام اورطرز عمل اس تاویل کے عین ضد تھے ۔اور مزید برآں کلیسیائے جامع اور جمہور مسیحیوں کا عقیدہ اور طرز عمل ابتدا سے دور حاضرہ تک اس تاویل کے برعکس رہا ہے تو یہ ظاہر ہے کہ یہ تاویل بالکل غلط اور ناقابل قبول ثابت ہوجائیگی اوران آیات شریفہ کی صحیح تفسیر وہ ہوگی جو کلمتہ اللہ اورآپ کے حوارئین اور کلیسیائے جامع کے حقیقی منشا اور مقصود کے موافق ہوگی۔ انشاء اللہ ہم مابعد کی فصلوں میں یہ بات واضح کرکے ان آیات کی تاویل صحیح اصول تفسیر کے مطابق کرینگے۔

فصل دوم

انبیائے اسرائیل کی رسالت کا مطمعِ نظر

اور

اہلِ یہود کا نصب العین

اس سے پہلے کہ ہم اُن آیات ومقامات کا مفصل مطالعہ کریں جن پر معترضین کے اعتراضات مبنی ہیں یہ مناسب معلوم ہوتاہے کہ ہم اس امر کو دریافت کریں کہ جس قوم میں کلمتہ اللہ نے پرورش پائی اس کا نصب العین کیا تھا اورجن انبیائے عظام کی کتب کے گھوارہ میں آپ نے اپنے ایامِ طفولیت اورعالمِ شباب کے روحانی مدارج کو حاصل کیا ان کے پیغام کا مطمع نظر کیا تھا۔ کیا اہلِ یہود اور اسرائیل کی نظر صرف قوم اسرائیل کے افراد کی نجات تک ہی محدود تھی یا ان کا خیال تھا کہ غیر یہود بھی نجات حاصل کرینگے ؟ کیا ان کے خیال میں ان کا خدا محض یہود کا ہی خدا تھا یا تمام عالم کا خدا تھا؟ اگر یہ ثابت ہوجائے کہ اہل یہود کی نظر اس باب میں وسیع تھی اور ان کا یہ ایمان تھا کہ خدا رب العالمین ہے اور اقوامِ عالم اس کی نجات سے بہرہ ور ہونگی اوراگر یہ ثابت ہوجائے کہ انبیائے اسرائیل کی رسالت کا مطمع نظرہی یہ تھا کہ بنی اسرائیل غیر یہود کو خدا کے پاس لانے کا ذریعہ اوروسیلہ ہونگے تو یہ ماننا ایک ناممکن امر ہوجائیگا کہ کلمتہ اللہ اپنے زمانہ کے ہمعصروں اور انبیائے سابقہ اوران کے مقلدوں کی نسبت زیادہ تنگ نظر تھے کیونکہ اگر ابن اللہ کی ذہنی نشوونما اور روحانی ترقی کے ماحول وسیع تھے تو آپ کے خیالات ان سے زیادہ تنگ نہیں ہوسکتے کیونکہ ایک روشن حقیقت ہے کہ کلمتہ اللہ کے خیالات اپنے ہمعصروں سے کہیں زیادہ بلند وبالا اور وسیع تھے۔ آپ کے آنے کی غایت ہی یہ تھی آپ توریت اور صحف انبیاء کو پورا کریں اورایک کامل شرع اوراکمل نمونہ دیں (متی

۵: ۱۸، -۱۱: ۲۹، یوحنا ۱۳: ۱۵- رومیوں ۱۰: ۴، ۱۳: ۸ وگلتیوں ۳: ۲۴، افسیوں ۴: ۲۰ وفلپیوں ۲: ۵ وغیرہ وغیرہ)-

سچ تو یہ ہے کہ کلمتہ اللہ نے ایک ایسے گھرانے میں پرورش پائی تھی جو اپنی نظیر آپ ہی تھا- مقدسہ مریم پر بالفاظ انجیل" خدا کی طرف سے فضل ہوا" تھا اورخدا تعالیٰ کی قدرت نے اس پر سایہ ڈالا تھا-" بالفاظ قرآن اللہ نے آپ " کو پسند کیا اور پاک کیا اور تمام جہان کی عورتوں سے برگزیدہ کیا-" انجیل جلیل اس بات کی گواہ ہے کہ مقدسہ مریم نے آپ کو صحفِ انبیاء اسرائیل کی تعلیم دی تھی- ان صحف کے حصص خداوند کو زبانی یاد تھے- یہودیت کی دعائیں بپچن ہی سے آپ کو حفظ کرائی گئی تھیں (متی ۴ باب- ۵ باب، مرقس ۱۲ باب، ۱۵ باب- لوقا ۲ باب-لوقا ۲۳: ۴۶ وغیرہ)-

حتےٰ کہ آپ کے لڑکپن کی نسبت انجیل شریف میں وارد ہوا ہے کہ آپ اس زمانہ میں بڑھتے اور قوت پاتے اور حکمت سے معمور ہوتے ہوگئے اور خدا کا فضل آپ کے ساتھ مدام رہا (لوقا ۲: ۴۰)- بالفاظِ قرآن آپ ایسے " نیک بخت" واقع ہوئے تھے کہ آپ روح اللہ اور کلمتہ اللہ "وجیھاً فی الدنیاَ الاخرہ اورمنَ المربین" تھے-

پس جب کلمتہ اللہ نے ایسے حالات میں اپنی ذہنی اور روحانی پرورش پائی ہو تو معترض کا یہ قول نہ صرف لغو اور بے بنیاد بلکہ مضحکہ خیز ہے کہ اہل یہود تو اس بات کو مانتے تھے اوران کے انبیاء صدیوں سے ان پر یہ جتلاتے چلے آئے تھے کہ ان کا کام یہ ہے کہ اقوامِ عالم خدا کی نجات کا پیغام دیں لیکن کلمتہ اللہ ایسے تنگ نظر واقع ہوئے تھے کہ اپنے ہمعصر یہود کے نصب العین اور انبیائے اسرائیل کے مطمع نظر کو جس سے وہ بچپن ہی سے واقف تھے دیدہ دانستہ پسِ پشت پھینک کر یہ مانتے تھے کہ خدا کی نجات صرفِ اہل یہود تک ہی محدود ہے اور اپنے حواریوں کو یہ تعلیم دیتے تھے کہ دیگر اقوامِ عالم اس نجات سے بہرہ اندوز نہیں ہوسکتیں-

اہلِ یہود کا نصب العین

یہودی انبیا کی رسالت کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی امت یعنی قوم بنی اسرائیل پر یہ صداقت ظاہر کردیں کہ اس کی زندگی کا مطمح نظر اور نصب العین یہ ہے کہ وہ اقوامِ عالم کو خدا کی معرفت اور نجات کا پیغام دینے کا وسیلہ ہے تاکہ جملہ اقوام عالم اہل یہود کی معرفت ایک حقیقی واحد خدا کے علم کو حاصل کریں-

یہ حقیقت عہد عتیق کی پہلی کتاب یعنی پیدائش سے لے کر آخری کتاب یعنی ملاکی نبی کی کتاب میں پائی جاتی ہے- چنانچہ کتب مقدسہ کی پہلی کتاب یعنی پیدائش کی کتاب میں جو سیدنا مسیح سے صدیوں پہلے لکھی گئی تھی یہ مندرج ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیم سے وعدہ فرمایا کہ دنیا کے سب گھرانے تجھ سے برکت پائینگے -"(۱۲: ۳)" ابراہیم یقیناً ایک بڑی اور بزرگ قوم ہوگا اور زمین کی سب قومیں اس سے برکت پائینگی "(۱۸: ۱۸) " اے ابراہیم تیری نسل سے زمین کی سب قومیں برکت پائینگی کیونکہ تونے میرے حکم کی تعمیل کی " ۲۲: ۱۸ نیز دیکھو اعمال ۳: ۲۵، گلتی ۳: ۱۸، ۸)وغیرہ) پھر خدا نے حضرت اضحاق کو بھی یہی فرمایا (۲۶: ۴)- اس کے بعد خدا نے حضرت یعقوب کو رویا کے ذریعہ بتلایا کہ " تیری نسل ایسی ہوگی جیسی زمین کی گرد اور تو پچھم پورب اتر اوردکھن کو پھوٹ نکلیگا اور زمین کے تمام گھرانے تجھ سے اور تیری نسل سے برکت پائینگے-" (۲۸: ۱۴)-

پس ابتدائے زمانہ سے خدا کا یہ ارادہ تھا کہ اہلِ اسرائیل کو اقوام عالم کے درمیان اپنی معرفت اور برکت بخشنے کا وسیلہ بنائے- انبیائے اسرائیل نے اس حقیقت کو بار بار اہل یہود کے گوش گذار کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھا- چنانچہ اگر ہم انبیائے اصغر کو نظر انداز کرکے صرف چند انبیائے عظام کو بطور مشتے نمونہ ازخروارے لیں تو یہ حقیقت ہم پر مہر نیمروز کی طرح روشن ہوجاتی ہے مثلاً:

(۱-) سیدنا مسیح سے ۷۶۰ سال پہلے حضرت عاموس نے اسرائیل کو یہ سبق سکھلایا کہ جس طرح خدا اہلِ یہود کی حفاظت کرتاہے اسی طرح وہ اہلِ حبش کی بھی حفاظت کرتاہے۔ جس طرح خدا اسرائیل کو مصر سے نکال لایا اسی طرح وہ فلسطیوں کو کفتور سے اور ارامیوں کو قیر سے نکال لایا تھا۔ چنانچہ نبی کہتاہے کہ "جو آسمان پر اپنے بالاخانوں کو بناتا ہے اور زمین پر اپنے گردون کی محراب کو قائم کرتاہے۔ وہ جو سمندروں کے پانیوں کو بلاتا ہے اوران کو روئے زمین کی سطح پر انڈیلتاہے اس کا نام خداوند ہے وہ فرماتاہے اے بنی اسرائیل کیا تم لوگ میرے حضور کوش کی اولاد کی طرح نہیں ہو۔ خداوند فرماتاہے کہ کیا جس طرح میں اسرائیل کو مصر کی سرزمین سے نکال لایا ہوں فلسطیوں کو کفتور سے اور ارامیوں کو قیر سے نہیں نکال لایاہوں۔؟"(۹: ۷)۔

(۲-) حضرت یسعیاہ نبی جو ۷۶۰ء قبل مسیح پیداہوئے فرماتے ہیں "ساری اقوام خداوند کے گھر کی طرف روانہ ہونگی اور کہینگی آؤ ہم خداوند کے پہاڑ پر چڑھیں اور یعقوب کے خدا کے گھر میں ۔ کہ وہ اپنی راہیں ہم کو بتلائیں گا اورہم اس کے رستوں پر چلینگے کیونکہ شریعت صیہون سے اور خداوند کا کلام یروشلیم سے نکلیگا "(۲:۲) رب الافواج اس پہاڑ پر تمام اقوام کے لئے فربہ چیزوں سے ایک ضیافت کریگا اور خداوند خدا سب کے چہروں سے آنسو پونچھ ڈالیگا اور اس روز یہ کہا جائیگا کہ دیکھو یہ ہمارا خدا ہے ہم اس کی راہ تکتے تھے اور اس نے ہم کو بچایا۔ یہ خداوند ہے جس کے انتظار میں ہم تھے۔ اب ہم اس کی نجات سے خوش وخرم ہونگے (۲۵ باب نیز دیکھو ۹: ۲، ۱۱: ۱تا ۱۰-۱۸: ۷، ۲۴: ۱۶، ۲۷: ۱۳- ۳۵: ۱، ۴۰: ۵وغیرہ وغیرہ)۔" اس روز مصر سے اسور تک ایک شاہراہ ہوگی اور مصری اسوریوں کے ساتھ عبادت کرینگے اوراس روز اسرائیل زمین کے درمیان برکت کا باعث ٹھہریگا اوررب الافواج اس کو برکت بخشیگا اور فرمائیگا کہ مبارک ہو مصر میری امت ۔ اسور میرے ہاتھ کی صنعت اوراسرائیل میری میراث(۱۹ : ۲۳وغیرہ وغیرہ)۔

(۳-) میکاہ نبی کی کتاب ۷۰۰ عیسوی سے قبل لکھی گئی۔ اس نے بھی یہ حقیقت جتلائی ہے(باب ۴، ۵وغیرہ وغیرہ)۔

(۴-) حضرت یرمیاہ نبی سیدنا مسیح سے ساڑھے چھ سو سال پہلے پیدا ہوا اوروہ بار بار اپنی نبوتوں میں جو اس نے خود لکھوائیں اس بات کا ذکر کرتاہے اورکہتاہے کہ " اے خداوند دنیا کے کناروں سے اقوام تیرے پاس آکر کہینگی کہ فی الحقیقت ہمارے باپ دادا نے محض بطالت کی میراث حاصل کی"(۱۶: ۱۹، ۴: ۲وغیرہ وغیرہ)۔

(۵-) صفنیاہ نبی کی کتاب سیدنا مسیح سے سوا چھ سو سال پہلے لکھی گئی اس میں مرقوم ہے کہ " میں اس وقت لوگوں کے ہونٹ پاک کردونگا تاکہ سب کے سب خداوند کا نام لیں ۔ اورایک دل ہوکر اس کی عبادت کریں۔ کوش کی نہروں کے پار سے میرے عابد ہدیہ لائینگے۔"(۳: ۹وغیرہ)۔

(۶-) حزقی ایل نبی سیدنا مسیح سے چھ سو بائیس سال پیشتر پیدا ہوا۔ وہ متعدد دفعہ اس بات کا ذکر کرتاہے(باب ۳۴، ۳۷، ۴۷وغیرہ)۔

(۷-)حضرت زکریاہ نے سیدنا مسیح سے چھ سو بائیس پہلے نبوت کرنی شروع کی۔وہ بھی اس نصب العین کا ذکر کرکے کہتاہے کہ" بہت اقوام اور زور آور امتیں رب الافواج کو ڈھونڈنے کو اور خداوند کے چہرے کو دیکھنے کو یروشلیم میں آئینگی۔ رب الافواج کو ڈھونڈنے کو اور خداوند کے چہرے کو دیکھنے کو یروشلیم میں آئینگی۔ رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ ان دنوں میں ایسا ہوگا کہ قوموں کے دس آدمی جن کو الگ الگ نعمت دی جائیگی ، ہاتھ بڑھائینگے۔ وہ ایک یہودی شخص کے دامن کو پکڑینگے اور کہینگے کہ ہم تمہارے ساتھ جائینگے کیونکہ ہم نے سنا ہے کہ خدا تمہارے ساتھ ہے"(۸: ۲۲-۲۳، ۲: ۱۰، ۶: ۱۵، ۹: ۱ اور ۱۴باب وغیرہ)۔

(۸-)اہلِ یہود کی جلاوطنی کے دوران میں انبیائے اسرائیل نے اس نصب العین کو بار بار اپنی امت کے سامنے رکھا۔ چنانچہ یسعیاہ کی کتاب کے ابواب ۴۰ تا ۶۶ جو ۵۴۶ تا ۵۳۹ قبل از مسیح لکھے گئے اس نصب العین سے پُرہیں۔ مثال کے طور پر ذیل کی آیات ملاحظہ ہوں: " اے بنی اسرائیل میں۔ خداوند نے تجھ کو صداقت کے لئے بلایا ہے میں تیرا ہاتھ پکڑونگا اور تیری حفاظت کرونگا۔ اور لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لئے تجھے دونگا تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور قیدیوں کو زنداں سے نکالے اوران کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانہ سے چھڑالے"(۴۲: ۶)۔ " اے جزیروں میری سنو۔اے لوگو جو دوُر و نزدیک کے ہو کان لگاؤ۔ خداوند نے مجھ سے کہا کہ تومیرا بندہ ہے تجھ میں۔ اے اسرائیل ۔ اپنا جلال ظاہر کرونگا ۔ وہ فرماتاہے کہ یہ توکم ہے کہ تو یعقوب کے فرقوں کے برپا کرنے اور اسرائیل کے بچے ہوؤں کے پھر لانے کے لئے میرا بندہ ہو بلکہ میں نے تجھ کو اقوامِ عالم کے لئے نور بخشاتاکہ تجھ سے میری نجات زمین کے کناروں تک پہنچے ۔ دیکھ یہ دور سے اوردیکھ یہ اتر سے اور پچھم سے اور یہ سینیم کے ملک سے آئینگے۔(۴۹: ۱-۱۳)۔

" میری سن اے میری امت ۔اے میری گروہ میری طرف کان دھر کہ ایک شریعت مجھ سے رائج ہو گی اور میں اپنی شرع کو اقوام کی روشنی کے لئے قائم کرونگا۔ میری نجات چل نکلی ہے۔ بحری مملکتیں میرا انتظار کرینگی اورمیرے بازو پران کا توکل ہوگا"(۵۱: ۴) "بیگانے کی اولاد بھی جنہوں نے اپنے آپ کو خداوند سے پیوستہ کیا ہے اس کی بندگی کریں اور خداوند کے نام کو عزیز رکھیں اور اس کے بندے ہوں۔ میں ان کو بھی اپنی عبادت گاہ میں شادمان کرونگا کیونکہ میرا گھر سب اقوام کی عبادت گاہ کہلائیگا(۵۶: ۶)۔ اٹھ روشن ہو کہ تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا ہے۔ خداوند تجھ پر طالع ہوگا اوراس کا جلال تجھ پر نمودار ہوگا اقوام تیری روشنی میں اور شاہان تیرے طلوع کی تجلی میں چلینگے"(۶۰: ۱تا۳وغیرہ وغیرہ)۔

یہ تمام ابواب ان دو باتوں پر زور دیتے ہیں کہ خدا یہود اور غیریہود دونوں سے محبت رکھتا ہے اوراس کی تمنا یہی ہے کہ اقوامِ عالم اہل اسرائیل کے ذریعہ اس کا عرفان حاصل کریں۔ خدا نے بنی اسرائیل کی طرف اپنے انبیاء بھیجے اوراب خدا اسرائیل سے یہ چاہتا ہے کہ کہ اس کے افراد انبیازادے بن کر اقوام عالم میں جائیں اوران کو خدائے واحد کی طرف لائیں ان تمام ابواب میں بار بار اس امر پر زور دیا گیاہے کہ اسرائیل خدا کا بندہ اور خادم ہے جس کو خدا نے اس مقصد کی خاطر چنا ہے کہ وہ اقوامِ عالم کو خدا کی شریعت اوراحکام کا علم دے اور رضائے الہٰی کی تلقین کرے(۴۲: ۱ تا ۴- ۴۵: ۸- ۴۹: ۱ تا ۶- ۵۰: ۴تا ۹- ۵۲: ۱۳ تا ۵۳: ۱۲: ۵۵: ۵- ۵۶: ۳: ۶۱ باب- ۶۵: ۱- ۶۶: ۱۲ وغیرہ وغیرہ)۔ اور جس طرح خدا نے اسرائیل کو مصر کی غلامی سے نجات دی۔ اسی طرح قوم اسرائیل اقوامِ عالم کوشیطان کی غلامی سے نکالے(۴۵: ۱تا ۶)۔

(۹-) زبور نویس جو سیدنا مسیح سے صدیوں پہلے وقتاً فوقتاً مختلف اوقات اور زمانوں میں مزمور لکھتے رہے بار بار اسی ایک حقیقت پر زور دیتے ہیں اور زبور کی کتاب کا کوئی صفحہ ایسا نہیں جس میں بنی اسرائیل پر اس صداقت کو بظاہر نہیں کیا گیا۔ مشتے نمونہ از خروارے۔ "اے خدا توجو دعا کا سننے والا ہے۔ سارے بشر تجھ پاس آئینگے۔ اے ہمارے نجات دینے والے خدا تو زمین کے سارے کناروں کا اوران کا بھی جو دور دریا کے بیچ میں ہیں بھروسا ہے"(۶۵)۔" (اے اسرائیل) میں قومیں تیری میراث میں دونگا اور اقصائے عالم تیرے پاس ہونگے۔"(۲)سارے جہان کے لوگ سراسر خداوند کی طرف رجوع لائینگے اور سب قوموں کے گھرانے تیرے آگے (اے خدا) سجدہ کرینگے کیونکہ سلطنت خداوند کی ہے اور اقوام عالم کے درمیان وہی حاکم ہے "(۲۲)" ۔ تم جانو کہ میں خدا ہوں اقوام عالم میں بلند ہونگا۔"(۴۶)"اے توجو دعا کا سننے والا ہے سارے بشر تجھ پاس آئینگے "(۶۵) ساری زمین تجھ کو سجدہ کریگی اور تیری مدح خواں ہوگی وہ تیرے نام کے گیت گائینگے ۔"(۶۶)" اُمرا

مصر سے آئینگے ۔ کوش کے باشندے اپنے ہاتھ خدا کی طرف بڑھائینگے ۔" اے زمین کی مملکتو۔ خدا کے گیت گاؤ"(۶۸) سمندر سے دوسرے سمندر تک اور بحر سے انتہا زمین تک خدا کا حکم جاری ہوگا۔ وہ جو بیابان کے باشندے ہیں اس کے حضور جھکینگے ساری گروہیں اور قبائل اس کی عبادت کرینگی۔ جب تک آفتاب رہیگا اس کے نام کا رواج ہوگا۔ تمام اقوام خدا کو مبارک کہینگی ۔ تمام جہان اس کے جلال سے معمور ہے"(۷۲) اقوام عالم خدا کے نام سے ڈرینگی خداوند کا نام صیہون میں بلند کیا جائیگا جبکہ امتیں اور مملکتیں خداوند کی عبادت کے لئے ایک ساتھ جمع ہوں۔ (۱۰۲) خدا ہم پر رحم کرے اور ہم کو برکت دے۔ اپنے چہرے کو ہم پر جلوہ گر فرمائے تاکہ تیری راہ ساری زمین میں جانی جائے اور تیری نجات سب اقوام میں۔امتیں خوش ہوں کہ تو زمین پر کی امتوں کی ہدایت کریگا۔ خدا ہم کو برکت دیگا اور زمین کے سارے کنارے اس کا خوف مانینگے "(۶۷) " اے خداوند ساری اقوام جن کو تونے خلق کیا آئینگی اور تیرے حضور سجدہ کرینگی اور تیرے نام کی بزرگی کرینگی کہ توہی واحد خدا ہے"(۸۶)۔ "خداوند کے لئے گاؤ۔ اس کے نام کو مبارک کہو۔ روز بروز اس کی نجات کی بشارت دو۔ دنیا کی امتوں کے درمیان اس کے جلال کو تمام اقوام کے درمیان اس کی عجائب قدرتوں کو بیان کرو۔ کیونکہ خداوند بزرگ اور نہایت ستائش کے لائق ہے۔ دنیا کی امتوں کے معبود ہیچ ہیں پر آسمانوں کا بنانے والا خداوند ہے۔اے قوموں کے گھرانوں خداوند کی حشمت وقدرت کو جانو۔ اس کی بزرگی کرو اس کی بارگاہوں میں آؤ۔ خداوند کو حسنُ تقدس کے ساتھ سجدہ کرو۔ اے ساری زمین ۔ اقوام عالم کے درمیان اعلان کرو کہ خداوند سلطنت کرتا ہے"(۹۶ وغیرہ وغیرہ)۔

(۱۰۔) اس صداقت پر کہ اسرائیل کا نصب العین یہ ہے کہ اقوام عالم کو خداوند کا عرفان بخشے زور دینے کے لئے عہد عتیق کی کتب کے مجموعہ میں روت کی کتاب اور یوناہ کی کتاب کا وجود خود ایک زبردست دلیل ہے۔ روت کی کتاب کی ہیروئن ایک موابی عورت ہے جو غیر یہود تھی لیکن اس کا وجود یہ ثابت کرتا ہے کہ اہل اسرائیل کو اپنا نصب العین یاد تھا کہ اس کی ہستی کا واحد مقصد یہی ہے کہ غیر یہود کو خداوند کا علم بخشے۔

(۱۱۔) یوناہ کی کتاب۔ سیدنا مسیح سے صدیوں پیشتر لکھی گئی ہے۔ اس کا واحد سبق یہی ہے کہ خدا کی نجات اور اس کا رحم تمام اقوام پر حاوی ہے خواہ وہ یہود ہوں یا غیر یہود۔ اس کتاب میں یوناہ درحقیقت بنی اسرائیل کی ایک مثال ہے ۔ خدا نے بنی اسرائیل کے سپرد یہ خدمت کی تھی کہ اقوام عالم میں اس کے عرفان کو پھیلانے کا اور اس کی نجات کی اشاعت کا ذریعہ ہو لیکن یوناہ کی طرح بنی اسرائیل نے اس ذمہ واری سے انکار کردیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح مچھلی نے یوناہ کو نگل لیا۔ اسی طرح بابل نے بنی اسرائیل کو تباہ کردیا۔ لیکن جس طرح مچھلی نے یوناہ کو زندہ اگل دیا۔ اسی طرح بنی اسرائیل بابل کی قید سے واپس یروشلیم آگئے ۔ تب پھر خدا نے ایک اور موقعہ بنی اسرائیل کو دیا کہ وہ خدائے واحد کی نجات کو غیر یہود اور اقوام عالم تک پہنچائے لیکن یوناہ کی طرح بنی اسرائیل نے بھی اپنا دل سخت کرلیا اور اس کی بجائے کہ وہ اپنی ذمہ واری کو محسوس کرے وہ اپنے دین اور مذہب کے سایہ میں بیٹھ گئے جس طرح یوناہ کدو کی بیل کے سایہ میں بیٹھ گیا اور اس بات کے منتظر ہونے لگے کہ خدا غیر یہود کو تباہ اور برباد کرے ۔ لیکن خدا کے دل پر اسرائیل کی یہ حالت دیکھ کر چوٹ لگی کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ بنی اسرائیل کے دل میں تبدیلی دیکھے۔ اور بنی اسرائیل اپنی زندگی کے واحد مقصد کو سرانجام دیں اور اقوام عالم کو خدا کی نجات کی بشارت دینے کا ذریعہ ہوں۔

(۱۲۔) عہد عتیق کی کتب کے مجموعہ کی کتاب ملاکی نبی میں جو سیدنا مسیح سے قریباً پانچ سو سال پہلے لکھی گئی اس صداقت کی ایک جھلک ہم کو دکھاتی ہے اور اس میں پرزور الفاظ میں لکھا ہے " رب الافواج فرماتا ہے کہ آفتاب کے طلوع سے اس کے غروب تک میرا نام اقوام عالم کے درمیان بزرگ ہوگا۔"(۱: ۱۱)۔

ہم کہاں تک اقتباس کرتے جائیں اور کس کس کتاب میں سے اقتباس کرتے جائیں ہم نے بخوف طوالت حضرت حجی کا (۵۲۰ ق-م) یوایل نبی، ہوسیع نبی (۷۴۰-ق-م) دانی ایل وغیرہ کی کُتب کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن عہد عتیق کی کتب شروع سے لے کر آخر تک یہ ظاہر کرتی ہیں کہ بنی اسرائیل کے انبیاء مرسل اور زبور نویس سب کے سب اس بات کی تلقین کرتے ہیں کہ اہل یہود کو خدا نے صرف اس مقصد کی خاطر اقوام عالم میں سے چن لیا ہے کہ ان کے ذریعہ خدا کا علم اکناف واطراف اور اقصائے عالم میں پھیل جائے تاکہ تمام روئے زمین کی اقوام خدا کی نجات کو نورُ سے منور ہوجائیں۔

(۲)

بنی اسرائیل نے سیدنا مسیح سے دو سو پچاس سال سے لے کر ایک سو پچاس سال پیشتر تک اپنی الہامی کُتب کا ترجمہ یونانی زبان میں کیا تاکہ اس نصب العین اور اپنی بھاری ذمہ واری کو پورا کرے۔ یونانی زبان ان دنوں میں تمام مہذب ممالک اور اقوام کی زبان تھی۔ پس اس ترجمہ کے ذریعہ جو سیپٹواجنٹ کہلاتا ہے اہل یہود نے کوشش کی کہ اپنے اس فرض سے جس کا بار خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کے کندھوں پر ڈالا گیا تھا سبکدوش ہوجائیں اور خدا کی نجات کا علم ان سب پر ظاہر ہوجائے جو یونانی زبان سمجھ سکتے یا لکھ پڑھ سکتے تھے۔

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ یہ ترجمہ غیر یہود کو خدا کے پاس لانے میں اس قدر موثر ثابت ہوا کہ اس کو الہامی ترجمہ قرار دیدیا گیا اور سیدنا مسیح کے زمانہ میں یہ ترجمہ اس قدد مقبول عام تھا کہ آپ کے حوارئین اس کو استعمال کیا کرتے تھے۔ اس ترجمہ کا وجود اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ اہل یہود اور ان کے انبیا کی نظر تنگ نہ تھی بلکہ وہ اپنے مذہب کو کل دنیا کے لئے نور اور برکت کا باعث خیال کرتے تھے۔

(۳)

رسولِ عرب حضرت محمد جیسے نکتہ شناس شخص نے بھی اس حقیقت کو بخوبی سمجھ لیا اگرچہ ان کے پیرو اس نکتہ کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ چنانچہ قرآن میں آیا ہے کہ" موسیٰ کی کتاب امام اور رحمت ہے "(سورہ ہود آیت ۲۰)۔ " ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور نور ہے ۔"(مائدہ آیت ۴۸)۔ " ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو لوگوں کو راہ سمجھانے والی اور ہدایات اور رحمت تھی۔ توکہہ اگر تم سچے ہو تو تم اللہ کی طرف سے کوئی ایسی کتاب لاؤجو ہدایت میں ان دونو (یعنی تورات اور قرآن) سے بڑھ کر ہو تو میں (محمد) اسی پر چلنے لگوںگا۔"(قصص آیات ۴۳و ۴۹)۔ مذکورہ آیات اور دیگر قرآنی آیات سے (جن کا اقتباس کرنے سے ہم پرہیز کرتے ہیں) ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ رسول عربی اہل یہود کے ساتھ اس بات پر متفق تھے کہ یہودی کتب مقدسہ کلُ دنیا کی پیشوا، رحمت، ہدایت اور نور ہیں جو لوگوں کو راہ سمجھانے والی ہیں اور آنحضرت اسی واسطے ان پر عمل پیرا بھی تھے۔

(۴)

سیدنا مسیح کی پیدائش سے دو صدیاں پہلے بنی اسرائیل کی تاریخ میں ایک زمانہ آیا جب یونانی اہل یہود پر حکمران تھے۔ اس زمانہ میں یونانی حکمرانوں نے سر توڑ کوشش کی کہ یونانی تہذیب اور کلچر یہودیت پر غالب آجائے۔ معاملات نے یہاں تک طول پکڑا کہ یہودیت اور یہودی مذہب کی جان خطرے میں پڑگئی۔ کیونکہ اہل یہود میں بہت سے لوگ ایسے تھے جو یونانی تہذیب وخیالات سے متاثر ہوچکے تھے۔ جس طرح فی زمانہ ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں بہت سے ایسے ہیں جو مغرب کے عاشق اور مغربی خیالات کے گرویدہ اور مغربی رسومات کے شیدائی ہیں بعینہ اسی طرح اہل یہود میں سے بہت لوگ ایسے تھے جو فاتح حکمران یونانیوں کے خیالات اور رسومات وغیرہ سے اس قدر مانوس ہوگئے تھے کہ وہ اپنے مذہب اور دین حقہ کے کے اصول کو عملاً خیر باد کہہ چکے تھے۔ پس اندریں حالات جس طرح

دور حاضرہ کے کٹر ہندو یا کٹر مسلمان اپنے دین ومذہب کی حفاظت کی خاطر اور مغرب زدہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو اپنے حلقہ کے اندر رکھنے کی خاطر مغرب سے بیزاری اور نفرت رکھتے ہیں بعینہ اسی طرح مسیح سے دو صدیاں پہلے اہل یہود اپنے مذہب کی حفاظت کی خاطر اور اپنے دین کے اصولوں کو برقرار رکھنے کے لئے تمام غیر یہودی اقوام سے بیزاری حقارت، کینہ اور دشمنی رکھنے لگ گئے۔ مثال کے طور پر ہم یہاں ایک مضمون "مسلمان کی ذہنیت" کا جو اہل حدیث مورخہ ۷ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا تھا ملخص دیتے ہیں ایسے مضامین ہر روز ہندو مسلمان اخباروں میں شائع ہوتے ہیں۔ جو کنعان کے ان یہودیوں کی ذہنیت کو ہم پر آشکارا کرسکتے ہیں۔

" مسلمانوں کی حالت اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ جس قدر ان میں مغربی تعلیم ترقی پزیر ہوتی جاتی ہے اسی قدر ان میں مذہبی احساس تنزل پذیر ہوتا جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مطمع نظر محض تعلیم اسلام کی ترمیم اور تنسیخ کرنا ہے اور بس جب کوئی امر شرعی نقطہ نگاہ سے ان کے سامنے پیش کیا جاتاہے تو اس کو اپنی منظور نظر مغربی تہذیب کے خلاف پا کر نہایت حقارت آمیز لہجہ سے رد کردینے سے ان کو مطلق باک نہیں ہوتا۔ وہ اسلام کو آباواجداد کی رسوم پارینہ سے زیادہ وقعت نہیں دیتے۔ یہ روشن خیال مسلمان شریعت اسلام کی پابندی کو مد نظر رکھے بغیر مسلم قوم پر نیا رنگ چڑھانے اور ان میں مغربی تہذیب کی نئی جھلک پیدا کرنے کی کوشش میں سرگرم نظر آتے ہیں۔ یہ خیالات مسلمانوں کی کس قدر خطرناک ذہنیت کا اظہار کرتے ہیں کہ باوجود مسلمان کہلانے کے اللہ اور اس کے رسول کے نام سے اس قدر نفرت پیدا ہو۔ اس سے اہل مشرق متاثر ہورہے ہیں کہ معالم شریعت اور شعایر اسلام ان کے دلوں سے محو ہوتے جاتے ہیں۔ آج خود مسلمان اسلام کے طرز تمدن پر۔ اس کی تعلیم پر۔ اسکے تخیل پر اس کے اصول وفروع پر نکتہ چینی کررہے ہیں۔ خدا نخواستہ اگر یہی حالت اور رہی تو مسلمان صفحہ ہستی سے مٹ جائینگے۔ اللہ نے صاف فرمایا تھا کہ مسلمانو تم اپنے ان دوست نما دشمنوں سے قطعاً دوستی پیدا نہ کرو مگر یہ انہی میں جذب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مسلمانو۔ تم اسلام کے سچے اور پکے پرستار بن جاؤ اور اپنا دستور العمل محض کلا اللہ اور حدیث رسول اللہ کو بنالو"۔

بعینہ اسی طرح کنعان کے اہل یہود کو یہ خوف لاحق ہوگیا تھا کہ مبادا ان کے بچے رومی یونانی تہذیب سے متاثر ہو کر اپنی جداگانہ ہستی کو کھو بیٹھیں اور مشرک کفار میں جذب نہ ہوجائیں اور ان کی "مہذب" سوسائٹی اور طرز معاشرت اور طریق تمدن کو اختیار کرکے موسوی شریعت سے روگردانی اختیار نہ کرلیں۔ پس وہ ہر بات سے جس سے یونانیت کی بوآتی تھی نہ صرف گریز کرتے تھے اور دوسروں کو اس سے دور رہنے کی تعلیم دیتے تھے بلکہ اس سے نفرت اور عداوت رکھتے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ یہودا اور غیر یہود کے درمیان ایک خلیج قائم ہوگئی جو امتداد زمانہ سے زیادہ وسیع ہوتی گئی۔ یہ خلیج ہم کو خداوند کے زمانہ میں انجیل کے ورقوں سے ذریعہ دکھائی دیتی ہے۔

پس ان بیرونی حالات اور تاثیرات کی وجہ سے ارض مقدس کنعان میں رہنے والے یہودی پہلی صدی قبل از مسیح اپنے قوم کے حقیقی نصب العین کو فراموش کرچکے تھے۔ بنی اسرائیل کے وہ سٹر کا جو یہودیہ اور یرشلیم میں رہتے تھے غیر اقوام سے دشمنی اور عداوت رکھتے تھے اور یہ عداوت اس درجہ تک پہنچ چکی تھی کہ وہ غیر یہود کے ساتھ خواہ وہ یونانی تھے یا سامری کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہودیہ اور یروشلیم کے رہنے والے یہودی اپنے قومی تعصبات سے اس قدر بھر گئے کہ انہوں نے اپنی کتب مقدسہ کے احکام سے روگردانی اختیار کرلی۔ اور غیر یہود میں تبلیغ کا کام چھوڑ دیا۔ انہوں نے اپنے انبیا کے پیغام کو پس پشت پھینک دیا اور اپنے نصب العین سے بے تعلقی اختیار کرلی۔ چنانچہ دور حاضرہ کا یہودی فاضل ڈاکٹر مونٹی فیوری کہتاہے کہ " ربیوں کے زمانہ کی یہودیت غیر اقوام کی طرف سے بے پروا تھی۔ اس زمانہ کے یہودی ان کو نفرت اور حقارت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور غیر یہود کفار کو پرلے درجے کے جہنمی خیال کرتے تھے" (Judaism and Paul p.56) ایک

اورجگہ یہی حال ہم کو بتلاتا ہے کہ اگرچہ بعض اوقات ربی کھنے کو توکھے دیتے تھے کہ جس طرح بنی اسرائیل ابراہیم کی اولاد ہیں اسی طرح غیر اقوام میں سے جو یہودی مذہب قبول کرتے ہیں وہ بھی ابراہیم کی اولاد ہیں لیکن عملی طور پر غیر اقوام کو یہودیت کے حلقہ بگوش ہونے میں سخت اور بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔" (Hibbert Journal ,July 1912.p 767 to 773)

یہود کے سردار کاہنوں نے خدا کی ہیکل (بیت اللہ) کے اس حصہ کو جو غیر اقوام کی عبادت کے لئے مخصوص تھا تجارت کرنے والوں کو دے رکھا تھا (مرقس ۱۱: ۱۵) جہاں تک ان کا بس چلتا وہ کسی قوم کو وہاں پھٹکنے نہیں دیتے تھے۔ ایک دفعہ مقدس پولوس اپنے ساتھ ایک غیر یہودی ٹروفی مس کو جو افسس کا رہنے والا تھا غیر اقوام کی جائے مخصوص میں لے گیا تھا تو اہلِ یہود اس پر ٹوٹ پڑے تھے (اعمال ۲۱: ۲۹) یوں اہلِ یہود کے قائدین اعظم نے خدا کی ہیکل کی بنیاد کو اپنے تبلیغی فرض کے انکار پر قائم کر رکھا تھا۔ ہیکل کے اندر اسرائیلی احاطہ اور غیر اقوام کے احاطہ کے درمیان پتھر کی ایک دیوار حدِ فاصل قائم تھی۔ جس پر یونانی اور لاطینی زبانوں میں یہ کتبہ لکھا تھا۔ کسی غیر یہود کو اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ اگر کوئی اس قانون کو توڑ کر حد سے تجاوز کریگا تو اس کو سزائے موت دی جائیگی۔ جس کے لئے اس شخص کے سوائے کوئی اور ذمہ وار گردانا نہیں جائیگا۔"

ہاں وہ یہودی جو ارض مقدس کنعان کے باہر رہتے تھے اور جن کا سابقہ رات دن غیر یہود سے پڑتا تھا اور جو یونانی رومی تہذیب سے قدرے متاثر ہو چکے تھے وہ تنگ نظر نہ تھے۔ وہ قدرتی طور پر وسیع الخیال واقع ہوئے تھے۔ قومی تعصبات نے ان کے دل سے ان کی ہستی کے حقیقی نصب العین کو مٹا نہیں دیا تھا اور وہ اپنی کتب مقدسہ کے احکام کو فراموش نہیں کرتے تھے اور غیر اقوام میں خداوند کی معرفت کا علم پھیلانے میں کوشاں رہتے تھے۔ پس ارض مقدس کی حدود کے باہر یہودی حلقہ میں ایسے خدا ترس لوگ موجود تھے جو اہل یہود کے وجود کے مقصد اور نصب العین کو پیش نظر رکھتے تھے۔ وہ اس بات کو فراموش نہیں کرتے تھے کہ اہل یہود کا صدیوں سے یہ نصب العین رہا تھا کہ ان کا وجود دنیا کے لئے موجب برکت ونجات ہے۔ پس اگرچہ سیدنا مسیح کے زمانہ میں کنعان کے اہل یہود غیر اقوام کو ان کی بُت پرستی اور دیگر قبیح رسوم کی وجہ سے نفرت اور حقارت سے دیکھتے تھے تاہم اس گئے گذرے زمانہ میں بھی کنعان کے باہر یہود کا تبلیغی کام دیگر اقوام کے درمیان نہایت وسیع پیمانہ پر جاری تھا (متی ۲۳: ۱۵)۔ یہودی مورخ یوسیفس کی تصنیفات سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اہل یہود مرید کرنے کے لئے خشکی اور تری، زمین اور سمندر کا سفر کیا کرتے تھے۔ ان کے درمیان کتب مباحثہ ومناظرہ رائج تھیں جن کے ذریعہ وہ دیگر اقوام پر ان کے معبودوں کی بطالت اور بُت پرستی کی خدمت اور یہودیت کی صداقت کو ثابت کیا کرتے تھے۔

عبادت خانوں میں " بیگانوں " کو جانے کی اجازت تھی۔ اور یہودی مذہب کے تبلیغی کام کے لئے عبادت خانوں کا استعمال وسیع پیمانہ پر کیا جاتا تھا جس پر انجیل جلیل بھی ناطق ہے چنانچہ لکھا ہے کہ " قدیم زمانہ میں ہر شہر میں جو موسیٰ کی توریت کی منادی کرنے والے ہوتے چلے آئے ہیں اور وہ سبت کو عبادت خانوں میں سنائی جاتی ہے تاکہ باقی آدمی یعنی سب دیگر قومیں جو میرے نام کی کہلاتی ہے خداوند کو تلاش کریں (اعمال ۱۵: ۱۷، ۲۱)۔

پروفیسر ایڈورڈ مائر (Edward Meyer) کا اندازہ ہے کہ اسوری اور بابل کی اسیریوں سے پہلے بنی اسرائیل کے دوزادہ قبائل کی کل تعداد ساڑھے سات لاکھ تھی۔ لیکن ان واقعات کے چھ صدیاں بعد جب بنی اسرائیل سلطنتِ روم کے ماتحت تھے اہل یہود کی تعداد چالیس اور ستر لاکھ کے درمیاں تھی۔ رومی سلطنت کے اعداد وشمار سے پتہ چلتا ہے کہ اس سلطنت کی آبادی میں ایک ہزار شخص میں سے ستر اشخاص یہودی تھے۔(Legacy of Israel p.29) اس اعداد وشمار سے ہم کچھ اندازہ لگاسکتے ہیں اہل یہود نے ان چھ صدیوں میں غیر اقوام میں سے کتنے لاکھ اشخاص کو یہودیت کا حلقہ بگوش کرلیا تھا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ پہلی صدی قبل از مسیح اور پہلی صدی عیسوی میں یونانی رومی دنیا میں ان یہودی مبلغین نے ارض مقدس کے باہر تبلیغ کا سلسلہ ایسے وسیع پیمانہ پر جاری کررکھا تھا کہ جب مسیحی مبلغین مسیحیت کی منادی کے لئے ایشیائے کوچک اور یونان کے شہروں میں گئے تو وہاں ان کو غیر اقوام میں سے یہودی نومریدوں کے گروہ ملے جنہوں نے اپنے مذاہب باطلہ کو خیر باد کہہ رکھا تھا اوروہ اسرائیل کے واحد خدا پر ایمان لے آئے تھے۔ یوں مسیحی مبلغین کو ایک تیار زمین ملی جس میں انہوں نے انجیل کا بیج بویا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یونانی رومی دنیا کی غیر اقوام موحد گروہ یہودیت کو چھوڑ کر مشرف بہ مسیحیت ہوگئے۔

(۵)

پس جب اہل یہود کی تاریخ پر نظر کرتے ہیں توہم دیکھتے ہیں کہ منجی عالمین اورآپ کے حوارئین کے زمانہ تک اہل یہود صدیوں سے یہ مانتے چلے آئے تھے کہ ان کی قوم کو خدا نے روئے زمین کی اقوام میں سے چن لیا ہے تاکہ وہ اپنے روحانی پیغام کے ذریعہ تمام دنیا کے برکت پانے کا وسیلہ ہوں۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ آسمان کی بادشاہت کے قائم ہونے سے یہ برکت اقوام عالم کو ملیگی اور کہ اس بادشاہت کو قائم کرنے والا ایک فوق الفطرت شخص ہوگا جو یہودی نسل میں سے ہوگا۔ ان کی کتب مقدسہ اس شخص کی آمد کی منتظر تھیں۔ بالفاظ دیگر یہودی قوم کی کتب مقدسہ میں اس بات کا انتظار پایا جاتا ہے کہ یہودی مذہب میں سے ایک مذہب نکلیگا جو عالم گیر ہوگا اور جس کا قیام مسیح موعود کی ذات اور شخصیت کے ساتھ وابستہ ہوگا۔

(۶)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ کلمتہ اللہ تورات مقدس اور صحائف انبیاء کا مطالعہ کرکے اوران کے مطمح نظر سے واقف ہوکر اور یہودی مذہب کے نصب العین کومدِ نظر رکھ کر اوراہل یہود کی سر توڑ تبلیغی مساعی سے واقف ہوکر اوراپنے آپ کو مسیح موعود جان کر جس کی ذات کے ساتھ اقوام عالم کی نجات وابستہ تھی خوواپنی رسالت کے دائرہ کو جان بوجھ کر تنگ کردیتے اورایسے کوتاہ بین ہوتے کہ اپنے مشن کو صرف اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے ہی محدود محال کرتے؟ کیا کوئی صحیح العقل شخص ایسی بات تسلیم کرسکتا ہے؟ اگر خداوند کا ایسا خیال ہوتا تو وہ اپنے ہمعصر یہود سے بھی زیادہ تنگ خیال تنگدل اور کوتاہ بین ہوتے۔ لیکن کیا یہ حق ہے کہ کلمتہ اللہ اپنے زمانہ کے یہود سے بھی زیادہ تنگدل اور کوتاہ بین واقع ہوئے ہوتے؟ جس شخص نے قرآن شریف اور انجیل جلیل کا سرسری مطالعہ بھی کیا ہے وہ فوراً اس سوال کا جواب نفی میں دیگا۔ انجیل کا سطحی مطالعہ بھی اس بات کو ظاہر کردیتا ہے کہ کلمتہ اللہ کے دل اور دماغ پر اس خیال کا تسلط تھا کہ آپ ہی وہ مسیح موعود ہیں جس کے وسیلے دنیا کی کلُ اقوام برکت پائینگی جو شخص کنفوشیس سے واقف ہے وہ اس کو چین کا نبی کہیگا۔ مہاتما بدُھ کی ذات ہندوستان سے مخصوص ہے۔ حضرت محمد صاحب کو محمد عربی ہے کہا جاتا ہے۔ لیکن کلمتہ اللہ کو کوئی شخص گلیلی نبی نہیں کہتا ہے۔ آپ کو " ابن آدم" ہی کہا جاتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ آپ کا پیغام تمام دنیا کی تمام اقوام کے تمام آدمیوں کے لئے نجات اور انجیل یعنی " خوشخبری" کا پیغام تھا۔

(۷)

انجیل جلیل کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ سیدنا مسیح کے ہمعصر اہل یہود میں سے جو لوگ مسیح موعود کے منتظر تھے ان کا بھی یہی خیال تھا مسیح موعود کا وجود اہل یہود اور دیگر اقوام کے لئے نور اور برکت کا موجب ہوگا۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ خداوند قدوس اور کل دنیا کا خالق ہے۔ خدا کی وحدانیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ خدا کل اقوام عالم کا واحد پروردگار ہولہذا وہ اس بات کے قائل تھے کہ مسیح کی بادشاہت میں ہر قوم اور ملک کے راستباز شریک ہونگے پس جو " خدا ترس" مسیح موعود کے منتظر تھے ان کا یہ ایمان تھا کہ وہ اپنی "آنکھوں" سے خدا کی " نجات" کو دیکھینگے جو خدا نے مسیح موعود کے وسیلے "سب امتوں کے روبرو تیار

کی بنے تاکہ وہ اقوام عالم کو روشنی دینے والا نور اور اسرائیل کا جلال ہے" (لوقا ۲: ۳۲)۔ یہ سب راستباز منتظر اس امید میں تھے کہ مسیح موعود کےذریعہ زبولون کا علاقہ اور نفالی کا علاقہ دریا کی راہ، یردن کے پار غیر یہود اقوام کی گلیل میں جو لوگ اندھیرے میں بیٹھے "ہونگے وہ بڑی روشنی" دیکھینگے اور جو" موت کے ملک اور سایہ میں بیٹھے" ہونگے ان پر روشنی چمکیگی"(یسعیاہ ۹: ۱ تا ۲، متی ۴: ۱۵)۔

حضرت یوحنا بپتسمہ دینے والے نے جو مسیح موعود کا پیشرو تھا اپنے ہمعصروں کو یہ جتلادیا تھا کہ " توبہ کے موافق پھل لاؤ اوراپنے دلوں میں یہ کہنا شروع نہ کرو کہ ابراہیم ہمارا باپ ہے کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا ان پتھروں سے ابراہیم کے لئے اولاد پیدا کرسکتا ہے"(لوقا ۳: ۸) اس کا مطلب یہ تھا کہ ہر قوم کا آدمی جو صالح اعمال کریگا نجات پائیگا اور وہی مسیح موعود کا حقیقی پیرو ہوگا نہ کہ وہ اپنے آپ کو آلِ ابراہیم کہیگا اوراہل اسرائیل کے زمرہ میں شمار ہوگا۔

یہاں وہی سوال پھر پیدا ہوتا ہے کہ کیا کلمتہ اللہ اپنے انتظار کرنے والوں اوراپنے پیشرو حضرت یوحنا بپتسمہ دینے والے سے بھی زیادہ تنگ خیال اور کوتاہ نظر تھے کہ وہ اپنی رسالت کو صرف اہل یہود تک ہی محدود خیال کرتے ؟آپ کے پیشرو کا یہ قول تھا کہ " جو مجھ سے زور آور ہے وہ آنے والا ہے میں اس کی جوتی کا تسمہ کھولنے کے لائق نہیں"(لوقا ۳: ۱۶) انجیل جلیل کا ہر ناظر یوحنا بپتسمہ دینے والے کے قول کی تصدیق کرکے کہیگا کہ یقیناً کلمتہ اللہ اپنے ہمعصر یہود سے اپنے انتظار کرنے والوں سے اوراپنے پیشرو سے کہیں زیادہ فراخ دلی اور دورُبین واقع ہوئے تھے(متی ۹: ۱۴- ۱۱: ۲، لوقا ۱۱: ۳۱، ۳۲- مرقس ۷ باب ، متی ۱۵: ۱۲) اہل یہود کے حقیقی نصب العین کے علم میں ابن اللہ اپنے ہمعصروں سے بہت دورُ نکل گئے تھے اوراس کا حضرت یوحنا بپتسمہ دینے والے کو خود اقرار ہے(یوحنا ۱: ۳۰، متی ۱۱: ۱۱) کلمتہ اللہ کی نجات کا پیغام اس قدر وسیع تھا کہ وہ کل بنی آدم پر اور ہر زمانہ اور ہر ملک اور ہر قوم کے ہر فرد بشر پر حاوی تھا(یوحنا ۳: ۱۶) وغیرہ۔

فصل سوم

سیدنا مسیح کے کلماتِ طیبات

اور

آپ کا طرزِ عمل

اس سوال کے جواب میں کہ آیا مسیحیت عالم گیر مذہب ہے یا کہ نہیں منجئی جہان کے اقوال اوراحکام آپ کی ہدایات اورآپ کالائحہ عمل اور طرز عمل ہی فیصلہ کن امور ہوسکتے ہیں۔اگر کلمتہ اللہ کے کلمات طیبات ، پیغامات ہدایات اور طرز عمل سے یہ ثابت ہوجائے کہ آپ کے خیال میں آپ کی رسالت صرف اہل یہود تک ہی محدود تھی تو مخالفین کے اعتراضات حق بجانب ہونگے۔ اورہم کو اس بات کا اقرار کرنا پڑیگا کہ کلمتہ اللہ صرف ایک یہودی مصلح تھے ۔ اوردیگر انبیاء اورمرسلین کی مانند صرف ایک نبی اور مرسل من اللہ تھے لیکن اگرابن اللہ کے اقوال واحکام وپروگرام ، پیغام اور طرز عمل سے یہ ثابت ہوجائے کہ آپ کے اپنے خیال میں آپ کی رسالت اہل یہود اوردیگر اقوام دونوں کے لئے تھی تو صحیح اصول تفسیر کے مطابق جن کا ذکر فصل اول میں کیا گیا ہے مسیحیت کا دعویٰ حق بجانب ہوگا کہ اس کا بانی فی الحقیقت دنیا کا منجی ہے"(یوحنا ۴: ۴۲) اورایک ایسی لاثانی اوریکتا ہستی ہے جس کی نظیر روئے زمین پر نہیں ملتی۔ اوراگر یہ نتیجہ درست ہے توخداوند کےان اقوال کا جوان آیات میں

درج ہیں جن کی بنا پر اعتراض کیا گیا ہے وہ مطلب ہر گز نہیں جو معترض نے لیا ہے بلکہ ان اقوال کے مطالب ومعانی اور غرض وغایت کچھ اور ہی ہوگی۔

سیدنا مسیح اور عہد عتیق کی کُتب

گذشتہ فصل میں ہم ذکر کرچکے ہیں کہ کلمتہ اللہ نے عہد عتیق کی کُتب کے گہوارہ میں پرورش پائی ۔ سیدنا مسیح نے اپنی کتب مقدسہ کا بچپن ہی سے مطالعہ کیا اورخدا کے ارادہ اور مقصد اور رضائے الہیٰ کی نسبت مستفسر رہے(لوقا ۲: ۴۰تا آخر)۔آپ نے ان کتب کے مطالعہ کو ہمیشہ حرزجاں بنایا اوردکھ مصیبت اور تکلیف میں یہی کتب آپ کی تسلی کا باعث تھیں۔ (زبور ۴۳: ۵۔ ومتی ۲۶: ۲۸۔ زبور ۶: ۴، ۴۲: ۶ ویوحنا ۱۲: ۲۷: زبور ۲۲: ۲ ومتی ۲۷: ۴۶ ، زبور ۳۱: ۵ ولوقا ۲۳: ۴۶ وغیرہ) آپ کا علم اس قدر وسیع تھا کہ آپ ان کتب کی ایک ایک بات سے واقف تھے اور اپنی تعلیم میں بیسیوں دفعہ آپ نے ان کتب کے واقعات واشخاص کا ذکر کیا (یسعیاہ ۵۱: ۱۷ ، یوحنا ۱۸: ۱۱ ، متی ۲۶: ۳۹۔ حبقوق ۲: ۱۱ ، ولوقا ۱۹: ۴۰۔ زبور ۶: ۸ ومتی ۷: ۲۳، زبور ۱۴۷: ۹، لوقا ۱۲: ۲۴۔ یرمیاہ ۲۲: ۵۔ ومتی ۲۳: ۳۸، زبور ۱۱۸: ۲۶: ومتی ۲۳: ۳۹۔ ہوسیع ۱۰: ۸، لوقا ۲۳: ۳۰۔ زبور ۹۱: ۱۳۔ ولوقا ۱۰: ۱۹ ۔ یسعیاہ ۶: ۹ ۔ لوقا ۸: ۱۰۔ یسعیاہ ۱۴: ۱۳۔ ولوقا ۱۰: ۱۵۔ میکاہ ۷: ۶۔ ولوقا ۱۲: ۵۳، یسعیاہ ۱۹: ۲۔ ولوقا ۲۱: ۱۰۔ متی ۶: ۲۹۔ ۱۲ باب آیات ۳، ۴۰، ۴۲، ۲۳: ۳۵۔ لوقا ۴ باب ، ۲۷ ، ۱۷: ۲۶، ۲۹۔ یوحنا ۸: ۴۰وغیرہ وغیرہ)۔

مذکورہ بالاحوالہ جات اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے کافی ہیں کہ سیدنا مسیح کتب عہد عتیق اور صحف انبیاء سے کماحقہ واقف تھے۔ آپ ان کتب کو ان نگاہوں سے نہیں پڑھتے تھے جن سے آپ کے ہمعصر ان کا مطالعہ کرتے تھے۔ کنعان کے یہود کے لئے یہ کتب شرع اور الہیٰ احکام کا فقط ایک مجموعہ تھیں جن کی شرح اور تفسیر کرنا ربیوں اور فقہیوں کا کام تھا۔ سکندریہ کے یہود کے نزدیک یہ کتب پوشیدہ اور مخفی رازوں کا ایک مجموعہ تھیں جن کو وہ اپنے فلسفیانہ نظریوں کے مطابق سمجھنا اور لوگوں کو سمجھانا چاہتے تھے۔ لیکن کلمتہ اللہ کی نظر میں یہ کتب خدا کے ساتھ رفاقت رکھنے کا ذریعہ تھیں۔ فقہا ان میں علم فقہ کے نکتے ڈھونڈتے تھے۔ فلاسفر ان میں اپنے فلسفہ کا سہارا پاتے تھے۔ لیکن کلمتہ اللہ ان کُتب میں خدا کے ازلی ارادوں کی تلاش کرتے تھے۔

خرد کی گتھیاں سلجھا چکے سب

میرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر

الہیٰ مقاصد سے واقف ہو کر کلمتہ اللہ رضائے الہیٰ کو پورا کرنا اپنا فرض اولین سمجھتے تھے(مرقس ۱۲: ۲۴: تاآخر۔ متی ۱۹: ۸وغیرہ)۔

پس کلمتہ اللہ اس بات سے کماحقہ واقف تھے کہ خدا نے قوم اسرائیل کو چنا ہے تا کہ اقوام عالم میں خدا کی معرفت کا علم اکنافِ عالم تک پہنچائے۔آپ کو یہ احساس تھا کہ آپ شریعت موسیٰ اورصحائف انبیاء کا نصب العین ہیں (لوقا ۴: ۲۱) آپ نے اپنی خدمت کی ابتدا میں علی الاعلان یہودی عبادت خانے میں فرمایا کہ صحائف انبیاء آپ کی ذات میں پوری ہوئیں۔ آپ نے عامتہ الناس کو صریح الفاظ میں بتلادیا کہ آپ شریعت اور صحائف انبیاء کو کامل کرنے کی غرض سے اس دنیا میں آئے ہیں اور فرمایا کہ آسمان وزمین ٹل جائیں لیکن کتب مقدسہ کا آپ کی ذات میں مبارک میں کامل ہونا لازمی اورلاابدی امر ہے (متی ۵: ۱۷: ۱۷)چنانچہ اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں آپ نے صلیب پر سے یہ اعلان فرمایا کہ آپ نے سب کچھ کامل کردیا (یوحنا ۱۹: ۳۰) ۔آپ نے خدا کے ازلی ارادہ اور مقصد کو پورا کرنے کے لئے یہودی کتب مقدسہ میں ان تمام امور کو یکسر خارج کردیا جو غیر یہود کو خدا کے پاس آنے کی راہ میں حائل تھے تاکہ یہود اور غیر یہود اور کلُ بنی نوع انسان خدا کی نجات سے بہرہ ورہو کر خدا کی عالمگیر بادشاہت کے وارث ہوجائیں۔

سیدنا مسیح کی تعلیم کی بنیاد

سیدنا مسیح کی تعلیم کی اساس یہ ہیں کہ خدا کل بنی نوع انسان کا باپ ہے اور کلُ جہان کے انسان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔چنانچہ آپ نے اس حقیقت پر نہایت زور دیا (متی ۷: ۲۱ وغیر)۔صرف پہاڑی وعظ میں آپ نے خدا کو ۷ دفعہ "باپ" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ آپ نے یہ تعلیم دی کہ خدا جو ہمارا باپ ہے وہ رب العالمین اوردنیا کا پروردگار ہے اس کی ذات محبت ہے اوراس کی لازوال محبت یہ گوارہ نہیں کرتی کہ دنیا کا کوئی فرد بشر بھی خواہ وہ کسی قوم یا نسل کا ہو نجات سے محروم رہ جائے (یوحنا۳: ۱۶ وغیرہ) پس کلمتہ اللہ کی تعلیم کے مطابق خدا کی محبت اور ابوت پروردگاری اور نجات کسی خاص قوم، ملک، طبقہ ، نسل ، قبیلہ ، ملت یا فردتک ہی محدود نہیں بلکہ وہ تمام دنیا پربلاکسی امتیاز کے حاوی ہے(متی ۵ باب ۴۴آیت تاآخروغیرہ) پس جب آنخداوند کی تعلیم کی بنیادہی ایسی ہے تو صحیح اصولِ تفسیر کے مطابق کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ سیدنا مسیح کی نگاہ صرف اہل یہود تک ہی محدود تھی کیونکہ یہ عالمگیر تعلیم انجیل کی کسی ایک آیت پرہی مبنی نہیں بلکہ انجیل کے رگ وریشہ میں اور ہر صحفہ میں پائی جاتی ہے۔ اوراس کے بغیر انجیل کی تعلیم کا تاروپود بکھر جاتا ہے۔

کلمتہ اللہ نے ہم کو یہ سکھلایا ہے کہ خدا دنیا کے ہر فرد بشر سے لازوال محبت کرتاہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم " اپنے دشمنوں سے محبت رکھو تاکہ تم اپنے آسمانی باپ کے بیٹے ٹھہرو کیونکہ وہ اپنے آفتاب کو بدوں اور نیکوں دونوں پر چمکاتا ہے۔ اور راستبازوں اور ناراستوں دونوں پر مینہ برساتا ہے۔ لازم ہے کہ تم بھی سب بنی نوع انسان سے کامل محبت رکھو جس طرح تمہارے آسمانی باپ کی محبت کامل ہے "(متی ۵ باب) خدا کی محبت ہر طرح کی فرقہ بندی اور ہر قسم کے امتیاز سے بلند وبالا ہے۔ جس طرح خدا ایک ہے۔ اسی طرح بنی آدم ایک ہیں اور ایک دوسرے کے اعضا ہیں (رومیوں ۱۲ باب وغیرہ) اگرخدا ایک ہے تو وہ سب کا سلطان اورسب کے ساتھ یکساں محبت رکھنے والاہے ۔ کلمتہ اللہ کی یہ محیر العقول تعلیم دنیا کی کایا پلٹ دینے والی تعلیم ہے (رومیوں ۵: ۶، ۸) ۔ ہر فرد بشر قابل قدر اوروقعت ہستی ہے(متی ۵ باب وغیرہ) ۔ اس تعلیم کے مطابق اہل یہود کو غیر یہود پر فوقیت حاصل نہیں اور نہ مختون کو غیر مختون پر کسی قسم کی فضیلت حاصل ہے۔ غلام اورآزاد کی تمیز اٹھ گئی (کلسیوں ۳: ۱۱ ، رومیوں ۱۰: ۱۲- ۱ کرنتھیوں ۱۲: ۱۳، گلتیوں ۵: ۶وغیرہ)۔ کیونکہ " وہی سب کا خداوند ہے اورجو کوئی خداوند کا نام لے گا نجات پائے گا "(رومیوں ۱۰ : ۱۲)اصول اخوت ومساوات مسیحیت کی روح رواں میں کل بنی نوع انسان خواہ وہ کسی ملک اورقوم اور نسل کے ہوں۔ ایک خدا کے ایک خاندان کےافراد ہیں جو خدا کو باپ کہتے ہیں (مرقس ۱۴: ۳۶،رومیوں ۸: ۱۵ ، گلتیوں ۴: ۶ وغیرہ)۔

پس جب منجئی عالمین کی تعلیم کے بنیادی اصول عالم گیر ہیں تو صحیح اصولِ تفسیر کے مطابق جس کا ذکر فصل اول میں کیا گیاہے لازم ہے کہ ان آیات کو جو اعتراض کی بنا ہیں اس طور پر تفسیر کی جائے جو کلمتہ اللہ کی تعلیم کے مطابق ہو کیونکہ یہ تعلیم کسی ایک آیت یادس بیس پچاس آیات پر منحصر نہیں۔ بلکہ آپ کی تعلیم کے اصول ہی عالمگیر تھے۔ کلمتہ اللہ کے مذہب کی عالمگیری انجیل کے رگ وریشہ میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً پہاڑی وعظ میں کیا شے ہے جو یہودی مذہب یا کسی دوسری قوم کے ساتھ مختص ہو۔"خداوند کی دعا" تمام بنی نوع انسان کی ضروریات کا خلاصہ ہے " برکات' (متی ۵: ۱تا ۹) کل نوع انسان پر حاوی ہیں۔ خدا اورانسان کے ساتھ محبت رکھنا ، الہٰی ابوت، انسانی اخوت ومساوات کے اصول ہیں بین الاقوامی اصول ہیں جو کل آدم زاد پر حاوی ہیں۔ کلمتہ اللہ نے جس اصول کی بھی تلقین فرمائی اس پر سطحی نگاہ بھی ڈالو تو کوئی بات ایسی نہ پاؤ گے جو کسی ایک قوم کے لئے اور دوسری اقوام پر اس کا اطلاق نہ ہوتا ہو۔

پس جب یہ امر مسلمہ ہے کہ کلمتہ اللہ کی تعلیم کے اصول کسی خاص ملک یا قوم یا زمانہ کے ساتھ مختص نہیں تو یہ درحقیقت اس امر کا اعتراف ہے کہ آپ کی تعلیم عالمگیر ہے کیونکہ جس اصول کا تعلق تمام بنی نوع انسانی کے ساتھ ہو اس میں کسی ایک قوم کو دوسری اقوام پر ترجیح نہیں ہوسکتی بلکہ تمام اقوام اس میں یکساں طور پر شامل ہوتی ہیں۔ اور وہ اصول تمام ممالک وازمنہ اور اقوام کے واسطے ہوتے ہیں۔

ہم نے اوپر لکھاہے کہ مسیحیت کی عالمگیری انجیل مقدس کی کسی ایک آیت یا منتشر آیات پر مبنی نہیں۔ اگرہم اس عالمگیری کے ثبوت میں آیات کودرج کرنے لگیں توہم کو بے شمار آیات درج کرنی ہونگی اورہماری کتاب کے صفحے کے صفحے بھر جائیں گے۔ اگرناظرین میں سے کسی کو شک ہو تو وہ خود اس نکتہ نظر سے انجیل شریف کی آیات کو نقل کرکے ہماری بات کی تصدیق کرسکتاہے۔

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لئے

حقیقت تو یہ ہے کہ مسیحیت کی عالمگیری انجیل کے تاروپود میں پائی جاتی ہے۔ صلیب پر کا کتبہ یونانی، لاطینی اور عبرانی زبانوں میں لکھا گیا تھا۔ (لوقا ۲۳: ۳۸) ۔ یہ ایک تمثیل ہے جس سے ہم معلوم کرسکتے ہیں کہ صلیب تمام قوموں کے لئے نجات کی راہ ہے۔ پہلی تینوں انجیلیں ان تینوں اقوام کے لئے لکھی گئی ہیں جن کی زبانوں میں صلیب پر کا کتبہ تھا۔ مقدس متی کی انجیل عبرانیوں کی خاطر لکھی گئی تاکہ ان پر یہ ثابت ہوجائے کہ سیدنا عیسیٰ ہی ان کا مسیح موعود ہے۔ جس کی عبرانی قوم مدت سے منتظر تھی۔ مقدس مرقس کی انجیل روم میں لاطینی نسل کے اقوام کے لئے لکھی گئی جس میں آنخداوند کی وہ تصویر موجود ہے جو بالآخر سلطنت روم کو سیدنا مسیح کے قدموں میں لے آئی ۔ مقدس لوقا کی انجیل یونانیوں کے لئے لکھی گئی اوراس کا مصنف خود غیر اقوام میں سے مشرف بہ مسیحیت ہوا تھا اوراس کی تصنیفات ظاہر کرتی ہیں کہ سیدنا مسیح نہ صرف قوم یہود کے مسیح موعود تھے بلکہ دنیا کے منجی تھے۔ مقدس یوحنا کی انجیل میں جو کلمتہ اللہ کی تعلیم درج ہے اس کا کسی ایک قوم اور بالخصوص قوم یہود سے کوئی خاص واسطہ نہیں۔ اس انجیل کے پہلے باب میں درج ہے کہ مسیح خدا کا کلام ہے اوراس کی شخصیت تمام کائنات اور خلقت کا مبدا، مرکز اورانتہا ہے۔ اس انجیل میں صاف طور پر واضح کر دیا گیا ہے کہ مسیحیت کا پیغام عالمگیر پیغام ہے اور سیدنا مسیح کی شخصیت کل نوع انسان کی پناہ گاہ۔ آب ودانہ، روشنی اورزندگی ہے وہ کل عالم کی نجات کا دروازہ ہے(۱۰: ۹) وہ دنیا کا نور ہے (۸: ۱۲، ۱ :۹ ویسعیاہ ۴۹: ۶ یوحنا ۹: ۵، ۱۲: ۴۶-)وہ زندگی کی روٹی ہے (۶: ۳۵- ۶: ۵۱)۔ وہ آبِ حیات ہے (۴: ۱۰: ۷: ۲۷)۔ وہ زندگی کا سرچشمہ ہے (۱: ۴- ۱۱: ۲۵- ۱۴: ۶)۔ وہ تمام اقوامِ عالم کے ان لوگوں کو دعوت دیتا ہے جو شیطان کی غلامی میں تاریکی اور ظلمت میں پڑے بھوکے اورپیاسے مر رہے ہیں (۶: ۵۳- ۷: ۳۷وغیرہ)۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب گردلیلت باید ازوے رومتاب

سیدنا مسیح کا لائحہ عمل

جب ہم انجیل شریف کو پڑھتے ہیں توہم پر یہ واضح ہوجاتاہے کہ ابتداہی سے سیدنا مسیح کی یہ دلی خواہش تھی کہ دنیا کی تمام اقوام خدا کی بادشاہت میں شامل ہوجائیں ۔ چنانچہ انجیل میں وارد ہے کہ شیطان نے سیدنا مسیح کی اس خواہش کو مدِنظر رکھ آپ کے سامنے یہ آزمائش پیش کی اورکہا توچاہتاہے کہ تو دنیا کی اقوام کوخدا کے لئے حاصل کرے۔ آ۔ میں تجھ کو اس مقصد کو حاصل کرنے کاطریقہ بتلاؤں۔ اگر تو ان وسائل اور ذرائع کو استعمال کرے جو میں تجھے بتاؤنگا تواقوام عالم تجھ پر ایمان لے آئینگی ۔ لیکن خداوند نے شیطانی طریقوں اوروسیلوں کو استعمال کرنے سے انکار کردیا۔(متی ۴: ۸تا ۱۰)۔ آپ دنیا کی کل اقوام کوخدا کے واسطے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ آپ کے دل میں یہ زبردست خواہش موجود تھی کہ اقوامِ عالم خدا کی بادشاہت میں شریک ہوجائیں لیکن آپ اس اعلیٰ ترین مقصد کو حاصل کرنے کے لئے شیطانی

ذرائع استعمال نہیں کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ صرف اعلیٰ ترین وسائل کے ذریعہ خدا کی بادشاہت کو اقوام عالم میں قائم کرنا چاہتے تھے۔ پس آپ نے صلیب کا راستہ اختیار فرمایا اور علی الاعلان کہا کہ " ابن آدم اس لئے نہیں آیا کہ خدمت لے بلکہ خدمت کرے اور اپنی جان بہتیروں کے بدلے میں فدیہ میں دے۔"(متی ۲۰: ۲۸)۔

(۲)

سیدنا مسیح نے اپنی خدمت کی ابتدا ہی میں اپنا لائحہ عمل یہودی اور دیگر اقوام کے سامعین کے سامنے عہد عتیق کے ان الفاظ میں پیش کیا جہاں مسیح موعود کی نسبت لکھا ہے کہ وہ اہلِ یہود اور دیگر اقوام کے لئے رسول ہوگا۔ یہودی کتب مقدسہ میں مسیح موعود کی رسالت کے لئے فعل مستقبل استعمال کیا گیا تھا کیونکہ یہ کتب آنخداوند کی آمد کی منتظر تھیں۔ لیکن خداوندِ عالمین ان الفاظ کا اقتباس کرتے وقت مستقبل فعل کی بجائے فعل حال استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ ناصرت کے عبادت خانہ میں ابن اللہ نے فرمایا" خداوند کی روح مجھ پر ہے اس لئے کہ اس نے مجھے غریبوں کو خوشخبری دینے کے لئے مسح کیا ہے۔ اس نے مجھے بھیجا کہ قیدیوں کو رہائی اور اندھوں کو بینائی پانے کی خبر سناؤں۔ کچلے ہوؤں کو آزاد کردوں اور خداوند کے سال مقبول کی منادی کروں" خداوند نے عہدِ عتیق کی کتاب کے ان الفاظ کا اقتباس کرکے فرمایا کہ " آج یہ نوشتہ تمہارے سامنے پورا ہوگیا ہے (لوقا ۴: ۱۸ تا ۲۱)۔ دوران تقریر میں کلمتہ اللہ نے ان غیر یہود مردوں اور عورتوں کا ذکر کیا جنہوں نے بنی اسرائیل کے انبیا کے ذریعہ برکت پائی تھی ۔ آپ نے فرمایا۔ ایلیاہ کے دنوں میں بہت سی بیوہ عورتیں اسرائیل میں تھیں لیکن ایلیاہ (الیاس) ان میں سے کسی کے پاس نہ بھیجا گیا(مگر غیر یہود) ملک صیدا کے شہر صارفت میں ایک (غیر اسرائیلی) بیوہ عورت کے پاس۔ الیشع نبی کے وقت میں اسرائیل کے درمیان بہت سے کوڑھی تھے لیکن ان میں سے کوئی پاک صاف نہ کیا گیا۔ سوائے نعمان کے جو سوریانی تھا"(لوقا ۴: ۲۶ تا ۲۷)۔ کلمتہ اللہ کے سامعین ان معنی خیز مطاعن " کو سنتے ہی غصہ سے بھر گئے اور انہوں نے اٹھ کر اس کو شہر سے باہر نکال دیا۔"(۲۸:۴)۔

منجئی عالمین کا طرزِ عمل

جب اہل یہود نے ابن اللہ کو شہر بدر کردیا توآپ نے کسی یہودی شہر میں رہائش اختیار نہ کی بلکہ " آپ نے غیر قوموں کی گلیل " کو اپنا وطن بنایا (متی ۴: ۱۵)۔اسی گلیل میں (جہاں غیر یہود کثرت سے آباد تھے)۔ کلمتہ اللہ نے اپنی سہ سالہ خدمت کا زیادہ حصہ صرف کیا۔ کفر نحوم میں خداوند نے ایک رومی صوبہ دار کے خادم کو شفا بخشی ۔(متی ۸: ۵۔ ۱۳)۔

وہاں سے خداوند نے " صور اور صیدا" کی سرحدوں میں تشریف لے گئے (مرقس ۷: ۲۴)۔ جہاں آپ نے آیات زیر بحث کے مطابق ایک سور فینیکی عورت کی لڑکی کو شفا عنائت فرمائی (متی ۱۵: ۲۸)۔ اس جگہ کلمتہ اللہ نے کئی ماہ صرف کئے ۔آپ نے کم از کم موسمِ گرما کے سب مہینے یہاں خدمت کی کیونکہ صرف اسی موسم میں اس جگہ سفر کیا جاسکتا تھا۔ اس علاقہ کے جتنے باشندے آپ کے پاس آئے ان کو منجئی عالم نے تعلیم دی اوران کے مریضوں کو تندرست کیا۔

ان تمام مہینوں کے بعد "وہ صور کی سرحدوں سے نکل کر صیدا کی راہ سے دکپلس کی سرحدوں میں ہوتا ہوا گلیل کی جھیل پر پہنچا"(مرقس ۷: ۳۰)۔جو لوگ غیر یہودی علاقہ دکپلس سے آپ کے پیچھے ہوئے وہ بھی آپ کی تعلیم سے بہرہ ور ہوئے(متی ۴: ۲۵)۔آپ نے اس علاقہ کے غیر یہودی بیماروں کو بھی شفا بخشی (مرقس ۵: ۱ تا ۲۱)۔

اسی طرح ادومیہ سے اور یردن کے پار صور اور صیدا کے غیر یہود علاقہ کے آس پاس سے ایک بھیڑ یہ سن کر کہ وہ کیسے بڑے کام کرتا ہے اس کے پاس آئی ۔ پس اس نے اپنے شاگردوں سے کہا بھیڑ کی وجہ سے ایک چھوٹی کشتی میرے واسطے تیار رہے تاکہ وہ مجھے دبا نہ

ڈالیں کیونکہ اس نے بہت لوگوں کو اچھا کیا تھا۔ چنانچہ جتنے لوگ سخت بیماریوں میں گرفتار تھے اس پر گرے پڑتے تھے کہ اسے چھولیں"(مرقس ۳: ۸تا ۹)۔

ابن اللہ نے نہ صرف ادومیہ اور یردن پار کے غیر یہود علاقوں میں خدمت کی بلکہ آپ سامریہ میں بھی گئے (لوقا ۹: ۵۲)۔ اور وہاں کے باشندوں کو اپنی نجات کے پیغام سے سرفراز فرمایا (یوحنا ۴: ۴)۔ اور بہت سے سامری اس پر ایمان لے آئے ۔ وہ اس کے پاس آئے اور درخواست کرنے لگے کہ ہمارے پاس رہ ۔ چنانچہ وہ دوروز وہاں رہا اوراس کے کلام کے سبب اور بھی بہتیرے اس پر ایمان لائے "اوراقرار کیا کہ یہ "فی الحقیقت دنیا کا منجی ہے"(یوحنا ۴: ۳۹: ۴۲)۔

یک دم از بہر خدا در برما بہ نشینی   دل غم دیدہ بدیدار تو گلشن داریم

ایک اور دفعہ جب خداوند نے دس کوڑھی اچھے کئے تو ان میں سے ایک یہ دیکھ کر کہ میں شفا پا گیا بلند آواز سے خدا کی بڑائی کرتا ہوا لوٹا اور منہ کے بل یسوع (عیسیٰ) کے پاؤں پر گر کر اس کا شکر کرنے لگا اور وہ سامری تھا یسوع نے جواب میں کہا کیا دسوں پاک صاف نہ ہوئے تھے پھر وہ نو کہاں ہیں؟ کیا سوا اس پردیسی کے اور نہ نکلے جو لوٹ کر خدا کی تمجید کرتے۔ پھر اس نے اس سے کہا ۔ اٹھ کر چلا جا تیرے ایمان نے تجھے اچھا کیا ہے۔"(لوقا ۱۷: ۱۵)۔ منجئی عالمین نے اس سامری کی تعریف کی اور ان نو یہودی کوڑھیوں کی ناشکری پر اظہارِ تاسف فرمایا۔

پس جب ہم ابن اللہ کے طرزِ عمل پر غور کرتے ہیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اگر آپ نے اپنی تبلیغی مساعی کو ایک حد تک اہل یہود تک محدود رکھا تو یہ کسی خاص مقصد کو نگاہ رکھ کر کیا۔ ہم آگے چل کر دیکھینگے کہ وہ مقصد کیا تھا لیکن اس مقصد کا تعلق یہودی قومی تعصبات سے ہرگز نہ تھا۔ساتھ ہی آپ نے کسی غیر قوم کے شخص کو اپنا جانفزا پیغام پہنچانے سے دریغ نہ کیا (متی ۸: ۱۳، ۱۵: ۲۸ وغیرہ)۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ جہاں آپ نے خدا کی بادشاہت کو پھیلانے کا موقعہ پایا آپ نے وہیں کام شروع کردیا۔ غیر اقوام میں کام اور خدمت کرنے کا خیال آپ کے ذہن میں شروع ہی سے تھا(متی ۱۰: ۱۸: یوحنا ۱۰: ۱۶- ۱۲: ۲۳ و ۳۲ وغیرہ)۔ آپ نے اپنے شاگردوں کو واضح الفاظ میں بتلادیا کہ ان کی تبلیغی مہمیں اس کی اپنی مساعی سے بہت زیادہ وسیع ہونگی ۔(یوحنا ۴: ۳۸- ۱۴: ۱۲)اورساتھ ہی آپ نے اس کا سبب بھی ان پر ظاہر کردیا اور فرمایا کہ غیر اقوام میں تب کام وسیع پیمانے پر ہوگا جب آپ اس مختصر زندگی کو ختم کرکے زمان ومکان کی قیود سے آزاد ہوکر ان کے ساتھ رہینگے (یوحنا ۱۲: ۲۴)۔ غیر اقوام میں اس مقدس خدمت کو سرانجام دینے کے لئے آپ نے اپنے شاگرد غیر اقوام میں روانہ بھی کئے (متی ۲۸: ۱۹، مرقس ۱۶: ۱۵، لوقا ۲۴: ۴۷تا آخر۔ یوحنا ۲۰: ۲۱۔ اعمال ۱: ۸ وغیرہ) کیونکہ آپ کو اس بات کا احساس تھا کہ آپ کی رسالت صرف یہود کے لئے ہی نہیں (متی ۸: ۱۲- ۱۱: ۲۰- ۱۲: ۳۹- ۲۱: ۴۱- ۲۲: ۷-۲۳: ۳۴- ۲۴: ۲- لوقا ۲۸:۱۳ وغیرہ)۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر سیدنا مسیح کا یہ خیال تھا کہ آپ کی رسالت اہل یہود تک ہی محدود ہے تو آپ نے کیوں غیر اقوام کے علاقوں کے رہنے والوں اورسامریہ کے باشندوں کو تعلیم دی۔ ان کے بیماروں کو کیوں شفا بخشی۔ اور کیوں ان کی خاطر موت کے منہ گئے ؟ جو اصحاب اہل یہود کے خیالات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ انبیائے اسرائیل کے پیغامات کے باوجود کنعان کے یہود غیر اقوام کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے ۔ چنانچہ ٹیسی ٹیس(Tacitus) کہتاہے کہ [1] کہ اہل یہود اپنے سوا باقی تمام دنیا کو اپناجانی دشمن خیال کرتے تھے" یہودی عالم ڈاکٹر مونٹی فیوری کہتاہے کہ [2] خداوند کے زمانہ کے اہل یہود غیر یہود کو نفرت ، حقارت اورعناد کی نظروں سے دیکھتے تھے اوران کا یہ خیال تھا کہ غیر یہود کا فر

---

[1] History .v.5.

[2] Judaism & Paul p.56.

جہنم میں ڈالے جائینگے جہاں تاریکی اور اندھیرا ہوگا۔" ہر یہودی کو غیر قوم والے سے محبت رکھنی اوراس کے ہاں جانا جائز نہ تھا۔" (اعمال ۱۰: ۲۸)۔علاوہ ازیں یہود سامریوں سے کسی طرح کا برتاؤ نہیں رکھتے تھے"(یوحنا ۴: ۱۰)۔ دونو اقوام ایک دوسرے کی جانی دشمن تھیں(لوقا ۹: ۵۱تا ۵۶)۔ کسی شخص کو سامری کہنا ایک ناقابل برداشت گالی تھی(یوحنا ۸: ۴۸)۔ یہودی ربیوں کا قول تھا کہ " جوسامریوں کی روٹی کھاتاہے وہ سور کا گوشت کھاتا ہے۔[1] اور کہ سامری قیامت کے روز مردوں میں سے کبھی زندہ نہ ہونگے[2]۔ لیکن منجئی عالمین نے نہ صرف ان کو تعلیم دی بلکہ ان کے ہاں گئے۔ ان کے ساتھ رہے۔ ان کے بیماروں کو شفا بخشی اوران میں سے بہتیرے آپ پر ایمان بھی لائے ۔ خداوند نے اپنی خدمت کو یہود ،غیر اقوام اور سامریوں تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ آپ نے بت پرست رومیوں میں بھی کام کیا۔ چنانچہ آپ نے رومی فوج کے صوبہ دار کے مفلوج خادم کو معجزانہ طور پر شفا بخشی۔ہر شخص جس کو تاریخ سے ذرا بھی مس ہے جانتاہے کہ رومی فاتحین اوریہودی مفتوحین کے باہمی تعلقات کس قدر کشیدہ تھے۔ لیکن ابن اللہ نے ان میں بھی الہیٰ محبت کے ظہور کو دکھایا۔آپ نے رومیوں ، یونانیوں ، سامریوں ، یہودیوں وغیرہ کےدرمیان خدمت کی اور ان کو خدا کی نسبت تعلیم دی۔ منجئی کونین کویہودی تعصبات سے ذرا بھی ہمدردی اور واسطہ نہ تھا۔ ابن اللہ کی وسیع نظر میں دنیا یہود اور غیر یہود پر مشتمل نہ تھی بلکہ نیک اور بد افراد پر مشتمل تھی خواہ وہ افراد کسی قوم سے متعلق ہوں (متی ۵: ۴۵)۔یہی وجہ تھی کہ آپ نے فریسیوں اور فقہیوں کو مخاطب کرکے فرمایا: میں راستبازوں کو نہیں بلکہ گنہگاروں کو بلانے آیا ہوں"(مرقس ۲: ۱۷)۔ اگر ابن اللہ اپنی رسالت کو صرف اہل یہود تک ہی محدود خیال فرماتے توغیر یہود کے پاس ہر گز نہ جاتے اور نہ جن کو مرید بناتے۔ لیکن آپ کاطرز عمل اس بات کو ثابت کرتاہے کہ آپ اپنی رسالت کو تمام دنیا کے لئے خیال کرتے تھے اور ہر قوم اور گروہ کے شرکاء سےملتے اوران کو تعلیم دے کر انہیں خدا کے قدموں میں لاتے تھے۔ منجئی عالمین کی نظر نہایت وسیع تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے جونام اپنے لئے تجویز فرمایا وہ " ابن آدم" تھا۔ یہ نام صاف ظاہر کرتاہے کہ آپ کواس بات کاپورا احساس تھا کہ آپ کا پیغام کسی خاص زمانہ ،ملک ،قوم یاقبیلہ کے لئے نہیں تھا بلکہ کلُ بنی آدم کے لئے ہے۔

(۳)

سیدنا مسیح کی موت اور بنی آدم کی نجات

کلمتہ اللہ نے اپنی خدمت کے آخرمیں ایک ایسی بات کی جس سے سب یہود پر اور بالخصوص علماء اورروٴسائے یہود پر یہ ظاہر ہو گیا کہ آپ یہود اور غیر یہود دونو کو ایک آنکھ سے دیکھتے تھے۔ اس ایک واقعہ نے کلمتہ اللہ کی قسمت کافیصلہ کردیا اورآپ کو ایک ہفتہ کے اندر اندر مصلوب کردیا گیا۔ چنانچہ لکھاہے کہ آپ اپنی زندگی کے آخری ہفتہ میں یروشلیم تشریف لے گئے " اورہیکل میں داخل ہو کر ان کوجو ہیکل (بیت اللہ) میں خریدو فروخت کررہے تھے باہر نکالنے لگا اور صرافوں کے تختے اور کبوتر فروشوں کی چوکیاں الٹ دیں اور تعلیم میں ان سے کہا کہ کیا یہ نہیں لکھاہے کہ میرا گھر سب قوموں کے لئے دعا کا گھر کہلائیگا؟ لیکن تم نے اسے ڈاکوؤں کی کھوہ بنادیاہے اورسردار کاہن اور فقیہ یہ سن کر اس کے ہلاک کرنے کا موقعہ ڈھونڈنے لگے"(مرقس ۱۱: ۱۵) یہ جگہ جہاں خریدو فروخت ہوتی تھی ہیکل کاوہ حصہ تھاجو غیر قوموں کی عبادت کے لئے مخصوص تھا۔ خداوند کے زمانہ کے سردار کاہنوں اور روٴسائے یہود نے یہ حصہ جوغیر یہود کی عبادت کے لئے وقف تھا سوداگروں کو دے کر غیراقوام سے عبادت اور پرستش کرنے کا حق چھین لیا تھا۔ خداوند نے فرمایا کہ ہیکل کا یہ حصہ غیر یہود کی

Mishna Sebiith V111.10.[1]

Prike Rabbi Elieser .38.[2]

عبادت کے لئے مخصوص تھا لیکن تم نے ان کے جائز حقوق پر ڈاکہ زنی کی ہے[1] ۔ خدا کی ہیکل سب قوموں کے لئے یہودہوں یا غیر یہود عبادت کا گھر ہے۔ خداوند نے ہیکل کو سوداگروں کے مال سے صاف کیا تاکہ غیر یہود وہاں عبادت کریں۔ خداوند کے اس طرزِ عمل سے رؤسائے یہود کو اس بات کا پورے طور پر احساس ہوگیا کہ اس شخص کی زندگی قوم یہود کی ہستی کے لئے خطرناک ہے۔ اور انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ ایک آدمی کا مرنا اس سے بہتر ہے کہ ساری قوم ہلاک ہو (یوحنا ۱۱: ۵۰)۔ اورانہوں نے منجئی عالمین کو اس واقعہ کے چار دن کے اندر اندر مصلوب کردیا۔ پس خداوند نے اپنے خون سے اس بات پر مہرُ کردی کہ آپ یہود اور غیر یہود دونوں کے نجات دہندہ تھے۔

(۴)

جب خداوند آخری دفعہ یروشلیم میں عید فسح کے موقعہ پر تشریف لے گئے تو چند "یونانی " آپ کے شاگرد فلپس کے پاس آئے اور انہوں نے درخواست کی کہ " جناب ہم یسوع کو دیکھنا چاہتے ہیں۔" یہ اشخاص اپنے ہم وطن شہرہ آفاق حکماء سقراط اور افلاطون کی حقیقی اولاد تھے۔ جن کے تحریری اورزبانی اقوال نور اور حق یعنی ربنا سیدنا مسیح کی تلاش اور دیدار کے شاہد تھے[2] ۔ چونکہ فلپس ایک یہودی شخص تھا اوریہودی تعصبات سے متاثر تھا اور یہ اشخاص غیر اقوام میں سے تھے۔ فلپس ان کو سیدنا مسیح کے پاس لے جانے سے ہچکچایا اوراس نے ایک اور شاگرد اندریاس سےاس معاملہ میں صلاح اور مشورہ کیالیکن کلمتہ اللہ نے ان غیر اقوام کوملاقات کا شرف بخشا اورشاگردوں کو فرمایا کہ آپ کی صلیب اور ظفریاب قیامت کےذریعہ غیر اقوام میں انجیل جلیل کی اشاعت کے لئے راستہ صاف ہوجائے گا (یوحنا ۱۲: ۲۳) اورخدا سے دعا کی کہ ان یونانیوں کےذریعہ بھی تو اپنے مقدس نام کو جلال دے تاکہ دنیا پر ظاہر ہوجائے کہ میری موت سے تیرا پاک مقصد پورا ہوگا اور دنیا اوربنی نوع انسان کی نجات ہوگی (آیت ۲۷، ۲۸)۔ دورانِ ملاقات میں آپ کی روحانی آنکھوں نے انجیل کی بشارت اوردنیا بھر میں اس کی اشاعت کا نظارہ دیکھا اور اپنی زبان مبارک سے فرمایا" وہ وقت آگیاہے کہ ابن آدم جلال پائے "(آیت ۲۳) منجئی عالمین نے اپنی حیات اورموت کے ذریعہ اہل یہود اور غیر اقوام دونوں کو ایک کرلیا اورجدائی کی دیوار کو جو بیچ میں تھا ڈھادیا (افسیوں ۲: ۱۴) سیدنا مسیح کے زمانہ میں انسان اورانسان کے درمیان بے شمار جدائی کی دیواریں تھیں۔ آپ نے اپنے اصول محبت، اخوت اورمساوات کے ذریعہ اورسب سے زیادہ اپنی صلیبی موت کے ذریعہ ان تمام دیواروں کو بالکل منہدم اورمسمار کردیا۔ ان تمام دیواروں میں سب سے مضبوط اورپائدار دیوار وہ تھی جو یہود اور غیر اقوام کے درمیان حائل تھی۔ لیکن یہ دیوار ابتداہی میں ٹوٹ گئی (اعمال ۱۵ باب)۔یہود اورغیر اقوام منجی جہان کی صلیب کے سامنے ایک ہوگئے۔ کلمتہ اللہ کی صلیبی موت نے خدا کی بادشاہت کے دروازہ کو تمام جہان کے گنہگاروں کے لئے کھول دیا۔ خواہ وہ گنہگار قوم کے یہود تھے خواہ غیر یہود (مرقس ۱۴: ۲۴، متی ۲۰: ۲۸ یوحنا ۱۰: ۱۵)۔ چنانچہ یوحنا رسول صاف اور صریح الفاظ میں بتلاتا ہے کہ " یسوع اس قوم یہود کے لئے مریگا اور نہ صرف اس قوام کے واسطے بلکہ اس واسطے بھی کہ خدا کے تمام پراگندہ فرزندوں کو جمع کرکے ایک کردے" (۱۱: ۵۲، ۱: ۲۹- ۴: ۴۲- ۱۲: ۳۲ وغیرہ)۔ " وہ نہ صرف اہل یہود کے گناہوں کا بلکہ تمام دنیا کے گناہوں کا کفارہ ہے۔"(۱ یوحنا ۲: ۲- رومیوں ۴: ۲۵- گلتیوں ۱: ۴- ۲: ۲۰- ۱ تمطاؤس ۲: ۶- فلپیوں ۲: ۱۴- ۱ پطرس ۱: ۱۸ -وغیرہ وغیرہ)۔

[1] Wilson, Problem of the Cross.pp.33–34.

[2] A.B.Bruce, The Training of the Twelve. P.311 2nd edition.

منجئی عالمین کے کلمات طیبات

جب ہم کلمتہ اللہ کے کلمَاتِ طیبات پر نظر کرتے ہیں تو یہ حقیقت ہم پر اور بھی واضح ہوجاتی ہے کیونکہ آپ کے زریں اقوال آپ کے لائحہ عمل اور طرز عمل پر روشنی ڈالتے ہیں۔

منجئی عالمین نے اپنے شاگردوں کو مخاطب کرکے فرمایا" تم زمین کے نمک ہو۔۔ تم دنیا کے نور ہو۔" (متی ۵: ۱۳) آپ نے رومی صوبہ دار کے ایمان کی تعریف میں فرمایا " میں تم سے ، سچ کہتا ہوں کہ میں نے اسرائیل کے کسی شخص میں بھی ایسا ایمان نہیں پایا۔ اور میں تم سے کہتاہوں کہ بہتیرے (غیر اسرائیلی) پورب اور پچھم سے آکر ابراہیم اور اضحاق اور یعقوب کے ساتھ آسمان کی بادشاہت میں شریک ہونگے ۔مگر بادشاہت کے بیٹے(یعنی یہودی) اندھیرے میں ڈالے جائینگے ۔(متی ۸: ۱۱)۔ کلمتہ اللہ نے ایک غیر قوم کو جس سے میں بہت سی بدورحیں نکالی تھیں حکم دے کر فرمایا" اپنے لوگوں کے پاس اپنے گھر جا اورانہیں خبردے کہ خداوند نے تیرے لئے کیسے بڑے کام کئے اور تجھ پر رحم کیا"(مرقس ۵: ۱۹) آپ نے نجات حاصل کرنے کی شرط بیان کرکے فرمایا۔ دیکھو بعض آخر (یعنی غیر یہود) ایسے ہیں جواول (یعنی پسندیدہ قوم) ہونگے " (لوقا ۱۳: ۲) جب آپ کے سر مبارک پر عطر ڈالا گیا توآپ نے فرمایا: تمام میں جہاں کہیں انجیل منادی کی جائیگی یہ بھی یادگاری میں کیا جائیگا (متی ۲۶: ۱۳) ابن اللہ نے اپنے رسولوں کو آنے والی تکلیفوں سے آگاہ کرتے وقت فرمایا کہ تم میرے سبب حاکموں اور بادشاہوں کے سامنے حاضر کئے جاؤگے تاکہ ان کے اور دیگر اقوام کے لئے گواہی ہو (متی ۱۰: ۱۸)۔آپ نے یروشلیم کی بربادی اور یہودیت کی تباہی کی نسبت فرمایاکہ اس کی ہیکل میں " کسی پتھر پرپتھر باقی نہ رہے گاجو گرایا نہ جائیگا"(مرقس ۱۳: ۲) اورانجیل کی اشاعت کی نسبت فرمایاکہ "ضرور ہے کہ سب قوموں میں انجیل کی منادی کی جائے "مرقس ۱۳: ۱۰)۔ آپ نے اقوام عالم کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: اچھا چرواہامیں ہوں میں اپنی بھیڑوں کے لئے جان دیتا ہوں(اقوام عالم میں)میری اور بھی بھیڑیں ہیں جو اس (یہودیت کے) بھیڑ خانے کی نہیں۔مجھے ان کا لانا بھی ضرور ہے اوروہ میری آواز سنیگی ۔ پھر ایک ہی گلہ اور ایک ہی چرواہا ہوگا"(یوحنا ۱۰: ۱۶)۔آپ نے اپنی موت کی طرف اشارہ کرکے فرمایا" جب میں زمین پر سے اونچے پر چڑھایا جاؤنگا تومیں سب کو اپنے پاس کھینچونگا۔(۱۲: ۳۲) کلمتہ اللہ نے پکار کر فرمایا" میں دنیا کو مجرم ٹھہرانے نہیں بلکہ دنیا کو نجات دینے آیا ہوں ۔"خداوند نے اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت فرمایا" میرے باپ کے گھر میں بہت سے مکان ہیں میں جاتا ہو ں تاکہ تمہارے لئے جگہ تیار کروں" جس سے صاف ظاہر ہے کہ آسمان میں نہ صرف اہل یہود کے لئے مکان ہیں بلکہ اقوام عالم کے مکینوں کے لئے جگہ ہوگی۔ ابن اللہ کی یہ آخری گفتگو یوحنا ۱۴: تا ۱۷ ابواب میں ہے اوراس کے ایک ایک لفظ سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ منجئی عالمین کا یہی خیال تھا کہ آپ کلُ بنی نوع انسان کی نجات کے لئے مبعوث ہوکر اس دنیا میں آئے ہیں۔آپ نے فرمایا" میں نور ہوکر دنیامیں آیاہوں تاکہ جو کوئی مجھ پر ایمان لائے اندھیرے میں نہ رہے "(یوحنا ۱۲: ۴۶) اور پھر فرمایا دنیا کا نور میں ہوں جومیری پیروی کرے گاوہ اندھیرے میں نہ چلیگا بلکہ زندگی کا نور پائیگا۔"(یوحنا ۸: ۱۲)۔ جب ابن اللہ نے لعزر کو دوبارہ زندہ کیا توآپ نے فرمایا" قیامت اور زندگی میں ہوں جومجھ پر ایمان لاتاہے گووہ مرجائے تو بھی وہ زندہ رہے گا اور جو کوئی زندہ ہے اور مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ ابد تک کبھی نہ مریگا"(یوحنا ۱۱: ۲۵)آپ نے نشان طلب کرنے والوں کےجواب میں غیر اقوام کو اہل یہود پر ترجیح دی اور فرمایا نینوہ کے غیر یہود لوگ اس زمانہ کے یہودی لوگوں کےساتھ عدالت کے دن کھڑے ہوکر ان کو مجرم ٹھہرائینگے کیونکہ انہوں نے یونس کی منادی پر توبہ کرلی اوردیکھو یہاں وہ ہے جو یونس سے بھی بڑاہے۔ دکن کی غیر یہود ملکہ اس زمانہ کے یہودی لوگوں کے ساتھ عدالت کے دن اٹھ کر ان کو مجرم ٹھہرائیگی ۔"(متی ۱۲: ۴۱)۔ خداوند نے اپنے پیشرو یوحنا اصطباغی کے ہم آواز ہوکر اہل یہود کو جتلادیا کہ وہ آل

ابراہیم ہونے پر نازاں نہ ہوں اور فرمایا کہ ابراہیم کے فرزند کہلانے کے مستحق صرف وہی لوگ ہیں جو ابراہیم کاسا ایمان رکھتے ہیں خواہ وہ کسی نسل کے ہوں (یوحنا ۸: ۴۰)۔

(۲)

کلمتہ اللہ نے جن تمثیلوں کے ذریعہ تعلیم دی ان سے یہ ظاہر ہے کہ آپ کو یہ حساس تھا کہ آپ کا پیغام کلُ دنیا کے لئے ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ لوگ سیدنا مسیح کے نشان طلب کرنے لگے ۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ " یوناہ(یونس) کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا ۔ آپ مطلب یہ تھا کہ جس طرح ایک یہودی نبی یوناہ کےذریعہ نینوہ ملک کے غیر اقوام باشندوں نے نجات حاصل کی تھی اسی طرح آپ کے اور آپ کے یہودی شاگردوں کی منادی کےذریعہ غیر اقوام نجات حاصل کرینگی۔ چنانچہ آپ نے اس مطلب کو یوں ظاہر کیا"کیونکہ جس طرح یوناہ نینوہ کے لوگوں کے لئے نشان ٹھہرا اسی طرح ابن آدم بھی اس زمانہ کے لوگوں کے لئے نشان ٹھہریگا ۔ دکھن کی ملکہ اس زمانہ کے آدمیوں کے ساتھ عدالت کے دن اٹھ کر ان کو مجرم ٹھہرائیگی۔۔۔ نینوہ کے لوگ اس زمانہ کے لوگوں کے ساتھ عدالت کےدن کھڑے ہو کر ان کو مجرم ٹھہرائینگے کیونکہ انہوں نے یوناہ کی منادی پر توبہ کرلی"(لوقا ۱۱ باب)۔

خمیر کی تمثیل (متی ۱۳: ۳۳) سے ظاہر ہے کہ کلمتہ اللہ کا یہ خیال تھا کہ آپ کا پیغام خمیر کی طرح تمام عالم میں سرایت کرجائیگا۔ جب آپ کی زبان حقائق ترجمان نے کڑوے دانوں کی تمثیل کی تاویل کی تو فرمایا کہ اچھے بیج کا بونے والا ابن آدم ہے اور کھیت دنیا ہے "(متی ۱۳: ۳۸)۔ یاد رہے کہ یہ تمثیل خداوند نے اپنی خدمت کی ابتدا میں فرمائی تھی جس سے ظاہر ہے کہ سیدنا مسیح شروع ہی سے جانتے اور محسوس کرتے تھے کہ ان کا "کھیت دنیا ہے" کلمتہ اللہ کو ابتدا ہی سے اس بات کا علم تھا کہ آپ کے اصول اور یہودیت کے اصول میں مغائرت اور تضاد کا رشتہ ہے۔ چنانچہ آپ نے سامعین کو فرمایا کہ " کوئی شخص پرانے کپڑے میں نئے کی پیوند نہیں لگاتا ۔ اور نہ نئی مے پرانی مشکوں میں بھری جاتی ہے۔ کیونکہ پرانی مشکیں پھٹ جاتی ہیں اورمے ضائع ہوجاتی ہے "۔ یہودی عالم ڈاکٹر مونٹی فیوری اپنی تفسیر انجیل میں کہتا ہے[1] کہ یہاں پرانی مشکوں سے یہودیت اور نئی مے سے مسیحی اصول مراد ہیں۔

کلمتہ اللہ نے اپنی خدمت کے آخر میں انگوری باغ کے ٹھیکے داروں کی تمثیل سنا کر فرمایا۔ خدا کی بادشاہت تم سے (یہود سے) لے لی جائیگی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دیدی جائیگی "(متی ۲۱: ۴۳)۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا سے لے کر آخر تک منجئی عالمین کا مطمع نظر اور نصب العین یہی تھا کہ انجیل جلیل کی بشارت تمام قوموں میں ہو۔ بھیڑوں اور بکریوں کی تمثیل میں آپ نے فرمایا " جب ابن آدم جلال میں آئیگا تو سب قومیں اس کے سامنے جمع کی جائینگی " (متی ۲۵: ۳۲) رحم دل سامری کی تمثیل میں کلمتہ اللہ نے یہودی کاہنوں اوریہودیوں کو رحم اور محبت کا نمونہ نہ بتلایا بلکہ ایک سامری کو رحم اور ترس کا نمونہ بنایا (لوقا ۱۰: ۳۳)۔ یہودیت کے مطابق لفظ "پڑوسی "کا" مطلب" قوم کے فرزندوں سے تھا (احبار ۱۹: ۱۸)۔ لیکن کلمتہ اللہ نے اس معنی کو مردود قرار دیدیا اور اس میں تمثیل کے ذریعہ یہ تعلیم دی کہ لفظ پڑوسی سے مراد نوع انسانی کے ہر فرد سے ہے خواہ وہ کسی جماعت ، قبیلہ، قوم یا نسل کا ہو(لوقا ۱۰: ۲۵تا ۳۷)۔

کوئی کہاں تک کلمتہ اللہ کے اقوال کو نقل کرے ۔ جس شخص نے آپ کی تعلیم کا سر سری مطالعہ بھی کیا ہے وہ جانتا ہے کہ اس تعلیم کا یہودی قومیت کے ساتھ ذرہ بھر تعلق نہیں۔ کلمتہ اللہ کی تعلیم کا ایک مختص نہیں بلکہ نوع انسان کے لئے ہے۔ جب آپ نے یہ تعلیم دی کہ خدا کل بنی نوع انسان کا باپ ہے اور اس کی لازوال محبت ازل سے یہود اور غیر یہود سب پر یکساں طور پر حاوی ہے (متی ۵: ۴۳تا ۴۸)۔ تو آپ نے سامعین کے سامنے ایسے

---

[1] Montifiori, Synoptic Gospels, vol.I.pp.59-61.

اصول بیان کئے جن سے ان کے کان ناآشنا تھے۔ یہ اصول اپنی طرز میں درحقیقت بالکل نئے اصول تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے یہودی سامعین ان کو سن کر غضب میں آجایا کرتے تھے(لوقا ۴: ۱۶ تا ۳۰ وغیرہ) ۔ یہودی ربیوں کی تنگ نظری کا یہ حال تھا کہ وہ کہتے تھے کہ خدا نے کہا ہے " میں آئندہ جہان میں تمہارے لئے ایک بڑی میز تیار کرونگا۔ غیر اقوام دیکھینگی اورحسد کے مارے جل بھن کر رہ جائینگی ۔(Original Jesus p.376) ایک اور عالم پروفیسر برکٹ (Burkitt) لکھتا ہے "یروشلیم کی تباہی سے پہلے کنعان کے یہودیوں میں چند ایک باتیں ایسی تھیں جنہوں نے یہودیت کو ایک قومی مذہب بنارکھا تھا حالانکہ یہ اس مذہب کی تعلیم نہ تھی اور نہ اس قوم کا حقیقی مطمع نظر تھا۔اس کی تعلیم تو یہ تھی کہ خدا ایک ہے جو اقوامِ عالم کا رب العالمین ہے لیکن عملی طورپر کنعان میں یہودیت ایک قومی مذہب تھا جس کا مرکز یروشلیم تھا "(Legacy Of Israel p.75) کلمتہ اللہ کی عالمگیر تعلیم کی نئی مے ان پرانی بوسیدہ مشکوں میں بھری نہیں جاسکتی تھی۔ اگرآپ کی تعلیم یہودی خیالات کے حلقہ کے اندر محدود کی جاسکتی توآپ کی علمائے یہود کے ساتھ کشمکش اورجنگ نہ ہوتی اور اس تصادم کا نتیجہ صلیب نہ ہوتا۔

ع گل است سعدی ودر چشم دشمناں خاراست

ڈاکٹر مونٹی فیوری کہتا ہے[1] کہ کلمتہ اللہ نے یہودیت کے بنیادی عقائد کے خلاف اپنی تعلیم کے اصول کو عالم گیر بنادیا۔ اگرچہ بعض اعلیٰ ترین یہودی ربی اس بات کوماننے کو تیار تھے کہ نہ صرف پیدائشی یہود آلِ ابراہیم ہیں بلکہ دیگر اقوام کے نومرید بھی اس زمرہ میں شامل ہیں۔ لیکن یہ صرف زبانی جمع خرچ تھا۔ نفس الامر اس خیال کے آگے مشکلات کے پہاڑ سد راہ تھے۔ یسوع کاکمال اس میں ہے کہ اس نے اپنی تعلیم اور شخصیت سے ان شرعی اور قومی

---

[1] Hibbert Journal , July 1912. pp. 767−73

رکاوٹوں کو دور کردیا"۔ خداوند کی تعلیم کے بنیادی اصول یہ تھے کہ خدا محبت ہے وہ بنی نوع انسان کا باپ ہے۔ اور کل اقوام عالم کے افراد آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ یہ اصولِ محبت واخوت ومساوات عالم گیرہیں۔آپ کا پیغام عالمگیر ہے جس کوانجیل نویس نے ان غیر فانی الفاظ میں ادا کیاہے کہ" خدا نے دنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیاتا کہ جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے"(یوحنا ۳: ۱۶)۔ سیدنا مسیح نے خود اپنی زبانِ مبارک سے فرمایا " اے سب محنت اٹھانے والو اور بڑے بوجھ سے دبے ہوئے لوگو سب میرے پاس آؤ۔ میں تم کوآرام دونگا"(متی ۱۱: ۲۸)۔

ع ہست مے کدہ ودعوتِ عام است ہیں جا

سیدنا مسیح کے احکام

جس طرح سیدنا مسیح کے لائحہ عمل ، طرز عمل اورکلماتِ طیبات سے یہ مترشح ہوتاہے کہ آنخداوند اپنے آپ کو منجئی عالم خیال فرماتے تھے اوراپنے پیغام کو کل بنی نوع انسان کے لئے تصور فرماتے تھے اسی طرح خداوند کے احکام سے بھی۔ یہی ثابت ہوتاہے کہ منجئی عالمین کی رسالت تمام ملکوں قوموں اور زمانوں کے لئے ہے۔ سیدنا مسیح نے شاگردوں کو جو مچھلیاں پکڑنے والے تھے بلاتے وقت فرمایا تھا کہ میرے پیچھے چلے آؤ میں تمہیں آدمیوں کا پکڑنے والا بناؤنگا"(مرقس ۱: ۱۷) مقدس لوقا ہم کو بتلاتا ہے کہ خداوند نے انجیل کی اشاعت کےلئے ستر شاگردوں کو بھیجا (۱۰: ۱۷) جس طرح کلمتہ اللہ نے بارہ شاگرد چنے تاکہ یہ تعداد بنی اسرائیل کے دوزادہ قبیلوں کے برابر ہو۔ اسی طرح ان بارہ کے علاوہ اب "خداوند نے ستر آدمی مقرر کئے "(لوقا ۱۰: ۱)اوراس تعداد کے انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ یہ خیال کیاجاتا تھا کہ کل دنیا میں ستر نسلیں اورقومیں آباد تھیں۔ ان مبلغین کو مبشر مقرر کرکے خداوند نے کل جہان پر یہ ثابت کردیا کہ جس طرح آپ نے بارہ شاگردوں کو بنی اسرائیل کے

دوزادہ قبیلوں کے خیال سے چنا تھا اسی طرح آپ نے ستر مبلغین کو اقوام عالم کی تعداد کے خیال سے چنا تھا تاکہ سب ظاہر ہوجائے کہ آپ یہود اور غیر یہود دونوں کے منجی ہیں۔

یہ ستر مبلغین سامریہ اور کپلس کے غیر یہود علاقہ کے بُت پرست شہروں میں جو صوبہ پیریا کے شمال مشرقی علاقہ میں واقع ہے جہاں غیر اقوام کثرت سے بستے تھے بشارت کے لئے گئے (The Mission and Message of Jesus p.279) سیدنا مسیح نے آپ غیر اقوام یونانیوں، سامریوں دکپلس ادومیہ وغیرہ وغیرہ، یہودی بُت پرست علاقوں میں خدمت کی تھی چنانچہ آپ نے ان ستر کو وہاں بھیجا اور ان کی تبلیغی کوششیں اس قدر کامیاب ہوئیں کہ لکھاہے کہ وہ " ستر خوش ہوکر پھر آئے اورکہنے لگے اے خداوند تیرے نام سے بدروحیں بھی ہمارے تابع ہیں۔۔۔۔ اسی گھڑی وہ روح القدس سے خوشی میں بھر گیا اورکہا اے باپ آسمان اور زمین کے خداوند میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تونے یہ باتیں داناؤں اور عقلمندوں سے چھپائیں اور بچوں پر ظاہر کیں۔۔۔ اور شاگردوں کی طرف متوجہ ہوکر خاص انہیں سے کہا مبارک ہیں وہ آنکھیں جو یہ باتیں (یعنی غیر اقوام میں بشارت کے شاندار نتائج) دیکھتی ہیں جن کو تم دیکھتے ہو کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ بہت سے نبیوں اور بادشاہوں نے چاہا کہ جو باتیں تم دیکھتے ہو (یعنی غیر اقوام کاخدا کا علم حاصل کرنا) دیکھیں مگر نہ دیکھیں اور جو باتیں تم سنتے ہوسنیں لیکن نہ سنیں "(۱۰: ۱۷تا ۲۴)۔

اغلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان تبلیغی مساعی کے شاندار نتائج دیکھ کر خداوند نے ان کے علاوہ کئی دفعہ اور شاگردوں کو بشارت کے لئے روانہ کیا تھا کیونکہ مقدس مرقس کے الفاظ کہ " انہیں دو دو کرکے بھیجنا شروع کیا "(۶: ۷)سے یہ نتیجہ مستنبط ہوسکتا ہے ۔یہی نتیجہ ہم اس انجیل کی (۱: ۳۷تا ۳۸) سے اخذ کرتے ہیں جہاں منجئی عالم اپنے شاگردوں کو فرماتے ہیں " آؤ ہم کہیں آس پاس کے شہروں میں چلیں تاکہ میں وہاں بھی منادی کروں کیونکہ میں اسی لئے نکلا ہوں " ان مختلف تبلیغی مساعی کے وقت خداوند نے شاگردوں کو یہودا اور غیر یہود دونوں کی طرف بھیجا تاکہ اس کام کو جو آپ نے غیر یہودی علاقوں میں کیا تھا مستحکم اور مضبوط کریں اوران غیر یہود کو جو آپ پر ایمان لائے تھے تعلیم دیں۔

غیر یہود میں تبلیغ کی ممانعت کا سوال

(۱۔) ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ خداوند یسوع سب شہروں اور گاؤں میں پھرتا رہا اور (گلیل میں یہود) کے عبادت خانوں میں تعلیم دیتا اور بادشاہت کی خوشخبری کی منادی کرتا اور ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کمزوری دور کرتا رہا اور جب اس نے (اہل یہود کی) بھیڑ کو دیکھا تو اس کو لوگوں پر ترس آیا کیونکہ وہ ان بھیڑوں کی مانند جن کا چرواہا نہ ہو خستہ حال اور پراگندہ تھے۔ تب اس نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ فصل تو بہت ہے لیکن مزدور تھوڑے ہیں پس فصل کے مالک کی منت کرو کہ وہ اپنی فصل کاٹنے کے لئے مزدور بھیجے ۔اور اس نے ان بارہ (شاگردوں) کو پاس بلاکر ان کو ناپاک "روحوں پر اختیار بخشا کہ ان کو نکالیں اوران کو قدرت بخشی کہ ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کمزوری کو دور کریں اوران کو خدا کی بادشاہی کی منادی کرنے اور بیماروں کو اچھا کرنے کے لئے بھیجا اوران کو حکم دے کرکہا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا اور چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے ۔ بیماروں کو اچھا کرنا ، مردوں کو جلانا۔ کوڑھیوں کو پاک صاف کرنا ۔ بدروحوں کو نکالنا، تم نے مفت پایا مفت دینا۔ نہ سونا اپنے کمربند میں رکھنا اور نہ چاندی اور نہ پیسے راستہ کے لئے نہ جھولی لینا اور نہ دو دو کُرتے ۔ نہ جوتیاں نہ لاٹھی کیونکہ مزدور اپنی خوراک کا حقدار ہے اورجہاں تم کسی گھر میں داخل ہووہیں رہنا جب تک وہاں سے روانہ نہ ہو اور جس کسی شہر کے لوگ تم کو قبول نہ کریں اس شہر سے باہر نکلتے وقت اپنے پاؤں کی گرد جھاڑدو۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ عدالت کے دن اس شہر کی نسبت سدوم اور عمورہ کے علاقے کا حال زیادہ برداشت کے لائق

ہوگا۔ دیکھو میں تم کو بھیجتا ہوں گویا بھیڑوں کو بھیڑیوں کے بیچ میں ۔ پس سانپوں کی مانند ہوشیار اور کبوتروں کی مانند بھولے بنو(انجیل متی ۹و ۱۰ باب۔ مرقس ٦ باب ولوقا ۹ باب)۔

(۲)

آیات مذکورہ بالا سے عیاں ہے کہ منجئی عالمین نے اہل یہود کی بھیڑ کی پراگندہ اور خستہ حالت کو ملاحظہ فرما کر ان پر ترس کھایا اور اپنے دوزادہ شاگردوں کو اس خاص موقعہ پر صرف اہل یہود میں اپنے دائرہ تبلیغ کو محدود رکھنے اور ان ہی میں مقیم رہنے کے احکام صادر فرمائے تاکہ اہل یہود کی برگشتہ قوم پر اتمام حجت ہوجائے ۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ ممانعت صرف ایک دفعہ کے لئے تھی اور وہ بھی صرف بارہ شاگردوں کو خاص موقعہ کی ہدایت کو عام حکم تصور کرلیا جائے ۔ یہ صحیح ہے کہ سیدنا مسیح نے اپنے بارہ شاگردوں کو ایک خاص موقعہ پر ایک خاص تبلیغی مہم کے وقت یہ حکم دیا تھا کہ غیر یہود کی طرف نہ جانا لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ ہمیشہ کے لئے غیر یہود کے پاس نہ جانا اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ منجئی عالمین نے اپنے ہر شاگرد کو ہمیشہ کے لئے منع فرمایا کہ غیر یہود کے پاس ابد تک نہ جانا اور نہ ان کے نزدیک پھٹکنا ۔ اس قسم کی دلیل ایک ایسا منطقی مغالطہ ہے جس کی ہمیں کسی صحیح العقل شخص سے توقع نہیں ہوسکتی۔

(۳)

خود ممانعت کے الفاظ اس اعتراض کو رفع کرنے کے لئے کافی ہیں۔ خداوند نے شاگردوں کو ہدایت فرمائی " غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا"ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اگر شاگردوں نے خداوند سے غیر قوموں کی طرف جانے اور سامریوں کے شہروں میں داخل ہونا نہیں سیکھا تھا تو ان کو کیسے خیال آگیا کہ وہ غیر قوموں اور سامریوں کی طرف جس پر خداوند نے ان کو فرمایا کہ اس دفعہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا؟ اگر شاگردوں کے دلوں میں یہ خواہش نہیں تھی تو خداوند کا حکم فضول تھا اور اگر یہ امنگ موجود تھی تو خداوند کے سوائے اور کس نے ان کو یہ سبق سکھلایا تھا کہ غیر اقوام اور سامری بھی اہل یہود کی طرح خدا کی بادشاہت میں داخل ہوسکتے ہیں ؟ خداوند کے یہودی شاگردوں نے اپنے ربیوں سے یہی سیکھا تھا کہ غیر اقوام خدا کی بادشاہت سے خارج ہیں۔ چنانچہ یہودی قومی تعصبات کی تنگ نظری اس ایک فقرے سے عیاں ہے جو سدرس کی دوسری کتاب میں ہے ۔"اے خدا تونے فرمایا ہے کہ تونے دنیا کوہماری خاطر خلق کیا ہے اور غیر اقوام محض نیست ہیں اور تھوک کی طرح ہیں۔"(٦: ۵۵)۔ مورخ ٹیسی ٹس کہتا ہے کہ یہود ایک دوسرے کی مدد کرنے کو ہر وقت تیار ہوتے ہیں۔ لیکن دنیا کے باقی باشندوں کو اپنا دشمن سمجھ کر نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں"(Hist V.5) سامریوں کے ساتھ نفرت رکھنا یہود کو ان کی ماں گود میں سکھلایا جاتا تھا۔ سامری ان اسوریوں کی اولاد تھے جو اسیری کے زمانہ میں ارض مقدس میں آبسے تھے اور انہوں نے اسرائیلی عورتوں سے شادی کرلی تھی(۲۔سلاطین ۱۷ : ۲۴) اور موسیٰ کی شریعت کے پیروکار تھے۔ جب یہودی اسیری سے واپس آئے تو سامریوں نے یروشلیم کی ہیکل کودوبارہ تعمیر کرنے میں ان کا ہاتھ بٹانا چاہا لیکن یہود نے ازراہ تحقیر ان کو رد کردیا۔ پس یہودیوں اور سامریوں میں دشمنی پیدا ہوگئی جو صدیوں تک رہی اورآئے دن دونوں اقوام میں کشت وخون ہوتا رہتا تھا۔ ہم ذکر کرچکے ہیں کہ یہودی ربی کہتے تھے کہ جو شخص سامری کی روٹی کھاتا ہے وہ سور کا گوشت کھاتا ہے۔" (Mishnah Shebiith V111.10)اور کہ کوئی سامری کبھی یہودیت کے زمرہ میں شامل نہ کیا جائے۔ وہ مردوں کی قیامت میں شریک نہ ہونگے "(Pirke Elieser.38) کسی کو سامری کہنا گالی دینے کے برابر تھا (یوحنا ۸: ۴۸)۔جب یہودی زائرین ہرسال حج کے موقعہ پر یروشلیم جاتے تو میلوں چکر لگاتے تاکہ سامریوں کے شہروں میں سے ان کو گذرنا نہ پڑے۔ ایک دفعہ سامریوں نے شاگردوں کو اپنے گاؤں میں ٹکنے نہ دیا تھا کیونکہ ان کا رخ یروشلیم کی طرف تھا۔ اس سلوک

سے سیدنا مسیح کے شاگرد اس قدر غضب میں آگئے کہ وہ چاہتے تھے کہ آسمان سے آگ نازل ہو کر ان کو بھسم کرڈالے (لوقا ۹ باب)۔

جب صورت حالات یہ تھی تو یہ غبی سے شخص پر ظاہر ہے کہ شاگردوں نے سامریوں اور غیر اقوام میں تبلیغی فرائض کو سر انجام دینے کا کام خود سیدنا مسیح کی تعلیم اور نمونہ سے سیکھا تھا۔

عشق کی اِک جست نے طے کردیا قصہ تمام
اس زمین وآسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

(۴)

ممانعت کے الفاظ قابل غور ہیں۔ ایسا معلوم ہوتاہے کہ آنخداوند اس موقعہ پر اہل یہود پر اتمام حجت کی خاطر ایک خاص تبلیغی کوشش کرنا چاہتے تھے آپ نے قوم یہود کی برگشتہ اور تباہ وخستہ اور پراگندہ حالت کو دیکھ کر حکم دیا کہ یہود کی طرف جاؤ اور " چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ۔ نہ سونا اپنے کمر بند میں رکھنا نہ چاندی نہ پیسے جس میں گھر میں داخل ہو اسے دعائے خیر دو۔ اگر کوئی تم کو قبول نہ کرے اور تمہاری باتیں نہ سنے تو اس گھر یا شہر سے باہر نکلتے وقت اپنے پاؤں کی گرد جھاڑدو۔ میں تم سے سچ کہتاہوں کہ عدالت کے دن اس شہر کی نسبت سدوم اور عمورہ کے علاقہ کا حال زیادہ برداشت کے لائق ہوگا"(۱۰ : ۵تا ۱۵)۔ حکم کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ خداوند اہل یہود پر اتمام حجت کرنا چاہتے تھے لہذا اس خاص تبلیغی مہم کو صرف اہل یہود تک محدود رکھنا چاہتے تھے لیکن خداوند کے رسول بشارت کے جوش میں بھرے تھے اور چاہتے تھے کہ یہود کو بشارت دیتے وقت دورہ میں غیر اقوام کی طرف بھی چکر لگا آئیں اورچونکہ سامریہ بھی راستہ میں پڑتا تھا وہ چاہتے تھے کہ سامریوں کے گاؤں میں سے بھی ہوتے چلیں۔لیکن خداوند نے ان کو اس بات سے منع کیا اور فرمایا کہ اب کی دفعہ یہ تبلیغی مساعی خاص اہلِ یہود پر اتمام حجت کے لئے ہیں۔ ادھر اُدھر جا کر اپنے وقت اور کوشش کو صرف نہ کرنا" غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور نہ سامریوں کے کسی شہر میں داخل ہونا بلکہ اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا اورچلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے اور اگر کوئی تم کو قبول نہ کرے اور تمہاری باتیں نہ سنے تو اس گھر سے یا شہر سے باہر نکلتے وقت اپنے پاؤں کی گرد جھاڑ دو۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ عدالت کے روز اس شہر کی نسبت سدوم اور عمورہ کے علاقے کا حال زیادہ برداشت کے لائق ہوگا۔"

ہم نے سیدنا مسیح کے اپنے طرزِ عمل سے تعلیم سے ، اقوال سے یہ ثابت کردیا ہے کہ کلمتہ اللہ اپنے آپ کو منجئی عالمین خیال فرماتے تھے ۔ کیا کوئی دانشمند شخص یہ خیال کرسکتا ہے کہ ابن اللہ آپ تو غیر یہود ، رومیوں ، سامریوں میں کام کریں۔ معجزے دکھائیں اوران میں سے بعض کے ایمان کو اہل یہود کے ایمان سے بہتر قرار دیں۔ ان میں سے بہتیروں کو مرید بنالیں لیکن اپنے ہر ایک شاگرد کو ہمیشہ کے لئے قطعی طور پر یہ ختمی حکم دے جائیں کہ غیر یہود کی طرف نہ جانا اور نہ کبھی کسی سامری شہر میں قدم رکھنا؟ اس کے خلاف ہم سیدنا مسیح کا آخری حکم پیش کردیتے ہیں تاکہ کسی مخالف کو صحیح اصول تفسیر کے مطابق جس کا ذکر فصل اول میں کیا گیا ہے اعتراض کرنے کی یاشک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔ منجئی عالمین نے اس جہان سے الوادع ہوتے وقت اپنی زبان مبارک سے رسولوں اور دوسرے شاگردوں کو حکم دیا کہ " آسمان اورزمین کا کل اختیار مجھے دیا گیا ہے پس تم دنیا میں جا کر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو اور جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ اور ان کو یہ تعلیم دو کہ ان سب باتوں پر عمل کریں جن کا میں نے حکم دیا ہے کہ دیکھو میں دنیا کے آخر تک ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں (متی ۲۸: ۱۹ ، مرقس ۱۶ : ۱۵)۔ پھر فرمایا" جب روح القدس تم پر نازل ہوگا تو تم قوت پاؤ گے اور یروشلیم اور تمام یہودیہ اورسامریہ میں بلکہ زمین کی انتہا تک میرے گواہ ہوگے "(اعمال ۱ : ۱۸)۔

سُور فینیکی لڑکی کو شفا بخشنا

اب ہم سیدنا مسیح کے اقوال میں سے اس قول پر غور کرینگے جس کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ آپ کو اس بات کا احساس تھا کہ آپ کا مشن صرف اہلِ یہود تک ہی محدود ہے ۔ انجیل میں وارد ہے کہ "خداوند یسوع وہاں سے نکل کر صوُر اور صیدا کے (غیر یہود) علاقہ کو روانہ ہوا اور صور اور صیدا کی سرحدوں میں گیا اور ایک گھر میں داخل ہوا اور نہیں چاہتا تھا کہ کوئی جانے مگر پوشیدہ نہ رہ سکا بلکہ ایک کنعانی عورت جس کی چھوٹی بیٹی میں ناپاک روح تھی اس کی خبر سن کر ان سرحدوں سے نکلی اور آئی اور اس کے قدموں پر گر پڑی۔ یہ عورت یونانی تھی اور قوم کی سور فینیکی. اس نے اس سے درخواست کی اور پکار کر کہا کہ اے خداوند ابن داؤد مجھ پر رحم کر۔ ایک بدروح میری بیٹی کو بری طرح ستاتی ہے۔ اس بدروح کو میری بیٹی سے نکال ۔ مگر اس نے کچھ جواب اسے نہ دیا۔ اس کے شاگردوں نے پاس آکر اس سے عرض کی کہ اسے رخصت کردے کیونکہ وہ ہمارے پیچھے چلاتی ہے اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ مگر اس نے آکر اسے سجدہ کیا اور کہا اے خداوند میری مدد کر اس نے جواب میں اس سے کہا کہ پہلے لڑکوں کو سیر ہونے دے۔ کیونکہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوروں کو ڈال دینی اچھی نہیں ۔ اس نے جواب میں کہا ہاں خداوند کتورے بھی میز کے تلے کی روٹی کے ٹکڑوں میں سے کھاتے ہیں جو ان کی مالکوں کی میز پر سے گرتے ہیں۔ اس پر یسوع نے جواب میں اس سے کہا اے عورت تیرا بڑا ہی ایمان ہے اس کلام کے سبب سے جا جیسا چاہتی ہے تیرے لئے ویسا ہی ہو بدروح تیری بیٹی سے نکل گئی ہے اور اس کی بیٹی نے اسی گھڑی شفا پائی ۔ اور اس نے اپنے گھر میں جا کر دیکھا کہ لڑکی پلنگ پر پڑی ہے اور بدروح نکل گئی ہے "(مرقس ۷ باب ۲۴ تا ۳۰ آیات، متی ۱۵ باب ۲۱ تا ۲۸ آیات)۔

(۱)

ان آیات کی تاویل کرکے معترضین یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سیدنا مسیح صرف ایک یہودی مصلح ہو گذرے ہیں اور آپ کے کبھی وہم وگمان میں بھی نہ آیا تھا کہ آپ کی رسالت یہود تک محدود نہ رہیگی ۔ لیکن ہم سطور بالا میں ثابت کر آئے ہیں کہ صحیح اصول تفسیر کے مطابق معترض کی یہ تاویل باطل ہے۔ منجئی عالمین کا طرز عمل صاف ظاہر کرتا ہے کہ آنخداوند نے غیر یہود میں خدمت کی اور ان کو تعلیم بھی دی۔ آیت زیر بحث خود اس بات کی گواہ ہے کہ منجئی جہان کے معجزات کا فیض عام تھا اور آپ نے اس عورت کی لڑکی کو شفا بخشی (۱۵ : ۲۸)۔ ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ خداوند کے کلماتِ طیبات بھی اس امر کے گواہ ہیں کہ آپ کی انجیل ساری خلق کے لئے تھی اور آپ کا حکم " سب قوموں کو شاگرد بنانے کا تھا" ہم ناظرین کو یاد دلاتے ہیں کہ صحیح اصول تفسیر تاویل الکلامہ بما یرضیٰ بہ قائلہ باطل ہے یعنی قول کے کہنے والے کی تاویل وہی صحیح ہوسکتی ہے جو اس کے منشا ، ارادہ اور خیالات کے مطابق ہو۔ پس ہم آیۂ زیر بحث کی صرف اس طرز پر ہی تاویل و تفسیر کرسکتے ہیں جو سیدنا مسیح کے لائحہ عمل ، طرز عمل ، کلمات، ہدایات اور احکام کے مطابق ہو۔ ہم ایک شخص کے کسی خاص قول کو اس کے دیگر اقوال اور حالات زندگی کی روشنی میں ہی سمجھ سکتے ہیں ۔ انشاء اس صحیح اصول تفسیر کو مدِ نظر رکھ کر ہم معترضین پر یہ ثابت کردینگے کہ جو نتیجہ وہ اس آیہ شریفہ سے اخذ کرتے ہیں وہ سراسر غلط ہے۔ ع

کیں راہ کہ تو میروی بترکستان است

(۲)

یہ امر قابل غور ہے کہ یہ عورت اہل یہود سے نہ تھی۔ مقدس متی اس کو کنعانی عورت" کہتا ہے ۔ مقدس مرقس کہتا ہے کہ " یہ عورت یونانی اور قوم کی سورفینیکی "(۷: ۲۶) "کنعان" اور سور فینیکا" ایک ہی صوبہ کے دونام تھے جس طرح انگلستان

کو بھی "انگلینڈ" اور کبھی "برطانیہ" کہا جاتا ہے۔ اس قوم کے لوگ ملک کنعان کے اصلی باشندے تھے جس کی نسبت اہل یہود کو حکم ہوا تھا کہ ان کو صفحہ ہستی سے نیست ونابود کردیا جائے(استثنا ۱ ۳: ۳تا ۵) وغیرہ) اس بات سے ناظرین پر واضح ہوگیا ہوگا کہ یہودی قوم اور اس عورت کی قوم میں حددرجہ کی باہمی مخاصمت اور منافرت تھی۔ لیکن آیت زیر بحث سے ظاہر ہے کہ منجئی عالمین کا محبت بھرا دل اس نفرت اور تعصب سے کلیتہً پاک تھا اور کلمتہ اللہ نے اس قوم کی دختر کو اور دیگر افراد کو شفا بخش کر اس حقیقت پر مہر صداقت لگادی۔

(۳)

یہ عورت جس کا نام روایت کے مطابق جسٹا (Justa) تھا اور اس کی دختر جس کا نام روایت کے مطابق برنیس (Bernice) تھا نہ صرف غیر قوم میں سے تھی بلکہ وہ "یونانی" تھی اور یونانی مذہب رکھتی تھی۔ وہ دیوی دیوتاؤں کی پرستار تھی۔ چنانچہ پرانے شامی ترجمہ کی قرات ہے " وہ عورت بُت پرست تھی"(مرقس ۷: ۲۶)اس علاقہ میں ایک بُت جس کا نام "صور" تھا پوجا جاتا تھا جس کی وجہ سے علاقہ کا نام بھی صور پڑگیا تھا۔[1] لیکن یہ بُت پرست عورت ایک یہودی "ابن داؤد" پھر بھروسا رکھ کر آئی۔ پس سیدنا مسیح نے اس کے ایمان کی تعریف کرکے فرمایا" تیرا بڑا ہی ایمان ہے " (متی ۱۵ : ۲۸) جب ہم اس کے ایمان کی طرف نظر کرتے ہیں تو ہم متعجب ہوجاتے ہیں کیونکہ یہ عورت اس قوم میں سے تھی جو اہل یہود کے ساتھ عداوت اور نفرت رکھتی تھی۔ لیکن تاہم وہ یہودی یسوع ناصری سے مدد کی خواہاں ہوئی۔ آنخداوند اس دفعہ علیحدگی ۔ عزلت اور گوشہ نشینی کی خاطر اس علاقہ میں تشریف لے گئے تھے(مرقس ۷: ۲۴) لیکن جونہی اس عورت نے آپ کی آمد کی خبر سنی وہ بھاگی آئی اور آپ کے مبارک قدموں پر گر پڑی اور اس نے چلا کر کہا ۔ "اے خداوند ابن داؤد مجھ پر رحم کر۔"

[1] Margoliath Religions of Bible Lands.p18.

اس کی حاجت مندی نے اس کے دل سے قومی تعصب بغض اور عناد کو دور کردیا ۔ اور وہ اپنی دشمن قوم یہود کے مسیح موعود کے پاس درخواست کرنے پر اصرار کرتی ہے۔ اس کا ایمان ہے کہ گو یہ ابن داؤد مسیح موعود قوم کا یہودی ہے تاہم وہ دیگر یہود کی طرح اس کا دشمن نہیں ہے وہ ضرور اس کی بیٹی کو شفا عطا کریگا۔ماں کی ممتا اس کو مجبور کرتی ہے کہ یہودی مسیح موعود کے پیچھے پیچھے چلاتی جائے ۔ سیدنا مسیح کے شاگرد اس عناد ، نفرت اور تعصب سے خالی نہ تھے۔ انہوں نے اس کو خداوند تک پہنچنے میں کوئی دلیری نہ دی تھی اور وہ تنگ آکر خداوند سے درخواست کرتے ہیں کہ "اسے رخصت کردے کیونکہ ہمارے پیچھے چلاتی ہے۔"

(۴)

ہم کو یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ صحیح اصول تفسیر کے مطابق جس کا ذکر فصل اول میں کیا گیا ہے اس آیہ شریفہ کی تفسیر کرتے وقت ہم کو موقعہ اور محل اور انجیلی عبارت کے سباق کو ضرور مدِ نظر رکھنا چاہیے۔ اس موقعہ پر سیدنا مسیح کی گفتگو کا مقصد ہر گز یہ نہیں تھا کہ آپ کنعانی عورت سے اپنی زندگی کے نصب العین کا ذکر کریں۔ سیدنا مسیح اور اس عورت کے درمیان سیدنا مسیح کے مشن کے مطمع نظر پر بحث اور مکالمہ نہیں ہورہا تھا ۔ اگر بحث کا موضوع سیدنا مسیح کے مشن کا مقصد ہوتا اور کوئی شخص نقودیمس کی طرح آپ کے پاس آتا اور یہ دریافت کرتا کہ کیا آپ کا پیغام صرف قوم یہود تک ہی محدود ہے یا آپ غیر اقوام کو نجات دینے کے لئے بھی دنیا میں آئے ہیں اور کلمتہ اللہ جواب میں اپنے نصب العین کی تشریح و توضیح کرکے فرماتے کہ میں اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور کے پاس نہیں بھیجا گیا اور آپ اپنے پروگرام ، پیغام، طرز عمل ، وغیرہ کو اس جواب کی تائید میں پیش فرماتے تو معترض کی تاویل حق بجانب ہوتی۔ لیکن اس موقعہ پر سوال جو درمیان میں تھا وہ آنخداوند کی زندگی کے نصب العین اور آپ کے مشن کے اصلی مقصد سے متعلق نہیں تھا بلکہ اس عورت کی لڑکی کی بیماری اور شفا یابی کا سوال تھا۔ پس سیدنا مسیح کا جواب لڑکی کی شفا یابی کے متعلق تھا

اور آپ کے مشن کے نصب العین سے اس کا کچھ واسطہ نہ تھا یہ یاد رہے کہ زیر بحث فقرہ عورت سے نہیں بلکہ شاگردوں سے کہا گیا تھا۔ پس صحیح اصول تفسیر کے مطابق لازم ہے کہ ہم خداوند کے جواب کوجو آپ نے عورت سے نہیں بلکہ شاگردوں سے مخاطب ہوکر فرمایا تھا اس کے موقع اور محل کے مطابق سمجھنے کی کوشش کریں اوراس کی تاویل خارجی امور کی روشنی نہ کریں۔ انجیلی عبارت کا سیاق صاف بتلاتا ہے کہ اس موقعہ اور محل میں غیر اقوام کی روحانی نجات کا سوال ایک ایسا امر ہے جو خارج از بحث ہے۔ پس صحیح تاویل میں ہم خارج از بحث امور کو نہ درمیان میں لاسکتے ہیں اور نہ ان کی روشنی میں اس آیہ شریفہ کی تفسیر کرسکتے ہیں۔ یہ ایک مضحکہ خیز امر ہوگا کہ عورت توکہے کہ اے خداوند میری لڑکی کو شفا عطا کر اور خداوند جواب میں قوم یہود کی روحانی حالتِ زار پر بحث کریں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا ایک بُت پرست ہندو کسی موحد مسلمان طبیب کے پاس اپنی لڑکی کے علاج کا سوال کرے اور طبیب اس کے جواب میں برگشتہ مسلمانوں کی خستہ حالی کا رونا روئے اور ان کی دائمی روحانی نجات پر بحث کرے۔ انجیلی عبارت کا سیاق ہم کو بتلاتا ہے کہ کنعانی عورت نے ایک شفا دہندہ کی خبر سنی اور وہ اس کے قدموں میں آکر التجا کرنے لگی کہ میری لڑکی کو شفا بخش۔ اس سوال کا جواب صرف ایک ہی ہوسکتا تھا یعنی یا اثبات میں یا نفی میں۔ خداوند نے اس کی التجا کو قبول فرمایا اور لڑکی کو شفا عطا کی۔

(۴)

پس انجیلی عبارت کے سیاق پر نظر کرکے ہم کہہ سکتے ہیں کہ درحقیقت اس کنعانی عورت کا چیخ وپکار نے خداوند کے دل میں خیالات کا سلسلہ شروع کردیا۔ آپ اپنے دل ہی دل میں ایک طرف توگم گشتہ یہود کی پراگندہ حالتِ زار پر غور فرمارہے تھے اور دوسری طرف بُت پرست غیر اقوام کی خستہ حالت کی صدا اس عورت کے نالہ کی صورت میں آپ کے کانوں میں آرہی تھی۔ انجیلی عبارت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا مسیح اپنے حوارئین کے آگے آگے آہستہ آہستہ چل رہے تھے اور اپنے خیالات میں غرق تھے اور یہ عورت شاگردوں کے پیچھے چلاتی آرہی تھی۔ کلمتہ اللہ چلتے چلتے اس گہری سوچ میں پڑے ہوئے تھے اور اپنے خیالات میں اس قدر منہمک ہوگئے تھے کہ آپ نے " اس عورت کو کچھ جواب نہ دیا۔" ایک طرف تو آپ اپنے دل میں بنی اسرائیل کے ان گمراہ لوگوں کا خیال کرکے ان پر ترس کھارہے تھے جو " ان بھیڑوں کی مانند جن کا کوئی چرواہا نہ ہو خستہ حال اور پراگندہ تھے"(متی ۹: ۳۶)۔ ان کی طرف نظر کرکے کلمتہ اللہ نے اپنے حواریوں کو چند روز پہلے فرمایا تھا کہ "فصل تو بہت ہے لیکن مزدور تھوڑے ہیں پس فصل کے مالک کی منت کرو کہ وہ اپنی فصل کاٹنے کے لئے مزدور بھیج دے"(۹: ۳۷)۔ دوسری طرف کلمتہ اللہ کے کان میں ایک بُت پرست عورت کی چیخ پکار آرہی تھی کہ " اے خداوند ابن داؤد مجھ پر رحم کر۔" اس چیخ پکار نے آپ کے ذہن میں ان تمام بُت پرست غیر اقوام کا تصور باندھ دیا جو نجات اور" رحم" کی طلبگار تھیں۔ منجئی عالمین قوم بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف نظر کرتے ہیں توان کو پراگندہ اور خستہ حال دیکھ کرکہتے ہیں کہ "فصل بہت ہے۔" غیر یہود بُت پرست اقوام کی جانب نظر کرتے ہیں تو ان کی صنم پرستی اور پراگندگی کو ملاحظہ کرکے کہتے ہیں کہ "فصل بہت ہے" کام ہر طرف ہے۔ میں اکیلاہوں ، میری زندگی کے صرف چند ماہ باقی ہیں کہاں کہاں کام کروں۔ اہل یہود گوپراگندہ خستہ حال اور گم گشتہ ہیں تاہم وہ بُت پرست غیر یہود کی نسبت خدا کا علم زیادہ رکھتے ہیں۔ اور بُت پرستوں سے زیادہ تیار ہیں کہ میرے پیغام کو قبول کرلیں۔ بہتر یہی ہے کہ میں اپنی زندگی کے چند ماہ جو باقی رہ گئے ہیں قوم یہود کی کھوئی بھیڑوں میں خدمت کرکے کاٹوں اور اپنے باقی ماندہ قیمتی وقت اور کوشش کو غیر یہود بُت پرستوں میں صرف نہ کروں اوراہل یہود کے گمراہ اور مرتد گروہوں کی طرف جو خدا سے برگشتہ ہوگئے ہیں خاص طور پر متوجہ ہوں۔ پس عالم انہماک میں کلمتہ اللہ نے اپنے خیالات کا اظہار کرکے اپنے شاگردوں کو مخاطب کرکے اپنی زبان مبارک سے فرمایا " میں بنی اسرائیل کی برگشتہ گروہ کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔" یونانی عورت کی آنکھیں آپ کے مبارک چہرے پر لگی ہوئی تھیں۔ اس نے

آپ کی لبوں کی جنبش کو دیکھا اوراس فقرہ کو سن لیا۔ اس کا ایمان زبردست تھا وہ آگے بڑھی اور اس نے کہا" اے خداوند میری مدد کر۔" ابن اللہ نے اپنے خیالات کا جن کو وہ سوچ رہے تھے اظہار کرکے فرمایا کہ " پہلے لڑکوں کو سیر ہونے دے" میرا اولین فرض یہ ہے کہ میں پہلے بنی اسرائیل کے مرتد لوگوں کو ان کے خدا کے پاس پھیر لاؤں بعد میں غیر اقوام بھی آجائینگی" لڑکوں کی روٹی لے کر کتوروں کو ڈال دینی اچھی نہیں" میں پہلے اپنا پیغام اہلِ یہود کو سنالوں۔ یہ واجب نہیں کہ اب اپنے باقیماندہ وقت اور کوشش کو اہل یہود کی طرف سے جو میرا پیغام سمجھ سکتے ہیں ہٹا کر غیر یہود کی طرف لگاؤں جو حقیقی خدا کی ہستی اور علم سے بے بہرہ اور نبوت اور کتاب سے ناآشنا ہیں۔ عورت نے جواب دیا" ہاں اے خداوند لیکن کتورے بھی میزکے تلے لڑکوں کی روٹی کے ٹکڑوں میں سے کھاتے ہیں۔"یعنی غیر یہود بُت پرستوں میں سے میرے جیسے جو ابن داؤد اور مسیح موعود سے رحم اور مدد کے ملتجی ہیں وہ بھی اہل یہود کے خیالات سے متاثر ہو کر ہی تیرے پاس آتے ہیں۔ اس پر منجئی عالم نے فرمایا" اے عورت تیرا بڑا ہی ایمان ہے جیسا چاہتی ہے تیرے لئے ویسا ہی ہو اور اس کی بیٹی نے اسی گھڑی شفا پائی"(۱۵: ۲۸)۔

(۵)

مذکورہ بالاآیات میں دو الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں یعنی " لڑکے" اور" کتورے" بعض خیال کرتے ہیں کہ لفظ " کتورے" سے حقارت ٹپکتی ہے۔ لیکن صحیح اصول تفسیر کے مطابق ہمیں زبان کے محاورہ کا لحاظ تاویل کرتے وقت رکھنا چاہیے۔ اگرہم اس اصول کو مدِ نظر رکھیں تو ہم دیکھینگے کہ خداوند نے جو الفاظ" لڑکے" اور " کتورے" اپنی زبان مبارک سے فرمائے تو آپ نے اس وقت درحقیقت خاص ان الفاظ کو استعمال کیا جو بنی اسرائیل اور غیر اقوام خود اپنے اپنے بچوں کے لئے پیار کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ بنی اسرائیل اپنے بچوں کو پیار کے طور پر " لڑکا" بلاتے تھے ۔(متی ۸: ۱۲ وغیرہ)۔ لیکن غیر اقوام اپنے بچوں کو "کتورا" بلایا کرتے تھے [1]۔ ہمارے اپنے پنجاب دیس کے بعض اضلاع اور پہاڑی مقامات میں بھی والدین اپنے بچوں کو پیار کے طور پر " کتورا" ، ڈبو وغیرہ بلاتے ہیں جس طرح انگریز اپنے بچوں کو" کڈیز" یعنی " لیلے" پکارتے ہیں۔

جائے غور ہے کہ جس یونانی لفظ کا اردو ترجمہ "کتے" کیا گیا ہے اورہم نے "کتورے" کیا ہے ۔ انجیل شریف میں یہ لفظ کسی اورجگہ وارد نہیں ہوا وہاں لفظ "کتے" کے لئے دوسرا لفظ استعمال کیا گیا ہے ۔ پس صحیح اصولِ تفسیر کے مطابق جب آنخداوند نے لفظ کتورہ استعمال فرمایا تو کسی حقارت یا نفرت کی وجہ سے نہیں کیا بلکہ ایک ایسا لفظ استعمال کیا جس کو غیر اقوام خود پیار سے اپنے بچوں کے لئے استعمال کیا کرتی تھیں۔اس لفظ سے آپ کا مافی الضمیر بھی ادا ہوگیا۔ عورت کو مادری محبت اورماں کی مامتا نے عقل دی اوراس نے بھی ان دونوں الفاظ کے ذو معنی مطالب سے فائدہ اٹھا کرجواب دیا کہ ہاں "اے خداوند میرے چھوٹے منے کتورے کی بھی مدد کراور اس کو شفا بخش۔

ع سخن شناس نئی دلبرا۔ خطا ایں جاست

(۶)

جس آیہ شریفہ کی بنا پر معترضین آنخداوند کے مشن کو اہلِ یہود تک محدود خیال کرتے ہیں وہی آیت درحقیقت ان کے اعتراض کی رد میں پیش کی جاسکتی ہے۔ مقدس مرقس ہم کو بتلاتا ہے کہ خداوند نے عورت سے فرمایا" پہلے لڑکوں کو سیر ہونے دے"(۷: ۲۷)۔ لفظ "پہلے " سےصاف ظاہر ہے کہ منجئی عالمین کی نظر کوتاہ نہ تھی اور نہ آپ اپنے دائرہ رسالت کو محدود خیال فرماتے تھے بلکہ آپ پہلے اہل یہود پر اتمام حجت کرنی چاہتے تھے اور غیر یہود کو اپنے نجات بخش پیغام سے محروم رکھنا نہیں چاہتے تھے۔

---

[1] Findlay, Jesus in the First Gospel.p153.

اگرہم اس آیہ شریفہ کی وہ قرات قبول کریں جو پرانے شامی ترجمہ میں موجود ہے تو اس اعتراض کی سرے سے گنجائش ہی نہیں رہتی ۔وہ قرات یہ ہے۔

" اس نے جواب میں ان کو (شاگردوں)کہامیں نہیں بھیجا گیامگران بھیڑوں کی طرف جو اسرائیل کے گھرانے سے بھٹکی ہوئی ہیں"(متی ۱۵: ۲۴)۔

اس قرات کے موافق آیت زیر بحث کا یہ مطلب ہوا کہ خدا نے مجھے ان تمام اقوام کی خاطر بھیجا ہے جو اسرائیل کے گھرانے میں شامل نہیں ہیں۔ یعنی خدا نے مجھ کو غیر یہود کی جانب بھیجا ہے۔ یہ ترجمہ دوسری صدی میں شامی زبان میں کیا گیا تھا۔ ملکِ شام ارض مقدس کنعان کے ساتھ ملحق ہے اور شامی زبان ارامی سے متعلق ہے جو ہمارے مبارک خداوند کی زبان تھی۔ عہد جدید کی کُتب کا سب سے پہلے اسی شامی زبان میں ترجمہ ہوا۔ پس ملک اور زبان کے تعلق اور ترجمہ کی قدامت کے لحاظ سے بہت ممکن ہے کہ یہی قرات صحیح بھی ہو۔ یہی قرات پشیتو ترجمہ کی ہے۔ جو شامی کلیسیا کا اسی طرح مستند ترجمہ ہے جس طرح ولگیٹ رومی کلیسیا کا مستند ترجمہ ہے۔

اقوامِ عالم کی نجات اوراہلِ یہود کا نصب العین

معترضین یہ سوال کرسکتے ہیں کیوں نجات کے معاملہ میں اہلِ یہود کو غیر یہود پر ترجیح دی گئی ہے ؟ اگر ابن اللہ یہود اور غیر یہود دونوں کی خاطر اس جہان میں آئے تھے توآپ کیوں اہل یہود کو اپنا پیغام پہلے پہنچانا چاہتے تھے ؟ (مرقس ۷: ۲۷)۔ نجات کے معاملہ میں اہلِ یہود کو کیوں مقدم سمجھا گیا؟

صحیح اصول تفسیر کے مطابق لازم ہے کہ ہم کسی قائل کے قول کو اس کے دیگر اقوال کی روشنی میں سمجھیں ۔ چنانچہ مولانا روم کھے گئے ہیں کہ

ع معنی قرآں ز قرآں پُرس و بس

اسی طرح اگرہم کلمتہ اللہ کے کسی قول کی تفسیر کرنا چاہتے ہیں تو لازم ہے کہ ہم اس قول کی تاویل خداوند کے دیگر اقوال کی روشنی میں کریں ۔ اس سوال کا جواب کہ نجات کے معاملہ میں اہل یہود کو کیوں تقدیم حاصل ہے ہم کو خداوند کے دیگر اقوال میں ملتا ہے۔ ایک دفعہ آنخداوند نے سامری عورت سے اثنائے گفتگو میں فرمایا تھا کہ نجات یہودیوں میں سے ہے "(یوحنا ۴: ۲۲)۔ آنخداوند کو معلوم تھا کہ نجات کا علم خدا نے اہل یہود میں ودیعت فرمایا ہے پس خداوند نے اپنی حیات میں اپنے کام اور پیغام کو ایک حد تک اہل یہود میں محدود رکھا۔ اہل یہود کو دیگر اقوام کی نسبت خدائے واحد اور برحق کا زیادہ علم تھا۔ ہم نے اپنی کتاب نور الہدیٰ میں بتلایا ہے کہ غیر اقوام صنم پرستی اور شرک میں اور رسوم بد میں مبتلا تھیں۔ وہ بتکدوں میں لاکھوں دیوتاؤں کے آگے سرنگوں ہوتی تھیں لیکن اہل یہود صرف ایک واحد خدا کی پرستش کرتے تھے۔ پس منجئی کونین نے اہل یہود کی گُم گشتہ گروہوں کو جگانے کی اوران پر خدا کا علم ظاہر کرنے کی سر توڑ کوشش کی تا کہ پہلے وہ خود کلام سنیں اور پھر دیگر اقوام تک اس خوشخبری کے پیغام کو پہنچانے والے بنیں۔ منجئی عالمین کو اس بات کا علم تھا کہ دنیا پر آپ کی عمر کے دن تھوڑے ہیں لیکن آپ کو تاریکی ہر طرف چھائی ہوئی نظر آتی تھی۔ اس تاریکی میں آپ کو ایک شمع ٹمٹماتی نظر آتی تھی یعنی یہودی قوم پس آپ نے دنیا کی تاریکی کو دور کرنے کی غرض سے اس ایک ٹمٹماتی شمع کی طرف خاص توجہ کی۔ اہل یہود خدا کی پہچان میں بُت پرست فلاسفہ سے بھی گوئے سبقت لے گئے ہوئے تھے۔ جب ہم یہودی تعلیم کا یونانی فلسفہ اور اخلاقیات سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہم پر واضح ہوجاتا ہے کہ سقراط، افلاطون اور ارسطو جیسے عظیم الشان فلاسفر اس تعلیم کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ چنانچہ انگلستان کا مشہور فلاسفر مرحوم ڈاکٹر ریشڈال اس موضوع پر مفصل تبصرہ کرکے اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ " مذہب اوراخلاق کے

معاملہ میں ارسطو کے ہم عصر یونانی اہلِ یہود کے مقابلہ میں کل کے بچے تھے"[1]۔ پس جب خداوند نے اپنا کام اور پیغام ایک حد تک اہل یہود میں محدود رکھا تو اس کی وجہ آپ کی تنگ نظری اور کوتاہ بینی نہ تھی بلکہ اس کی اصل وجہ آپ کی معاملہ فہمی۔ دوراندیشی ، اور حکمت عملی تھی جس کے مطابق آپ نے اپنے لائحہ عمل کو ڈھالا تھا۔

اگر معترض ہم سے یہ سوال کرے کہ آنخداوند نے کیوں فرمایا تھا کہ "نجات یہودیوں میں سے ہے" ۔ کیا کوئی اور قوم نجات نہیں پائیگی ؟ توہم اس کا جواب یہ دینگے کہ سیدنا مسیح نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ نجات یہودیوں تک ہی محدود ہے۔ اگر آپ نے یہ فرمایا ہوتا تو معترض کا اعتراض درست ہوسکتا تھا لیکن آپ نے فرمایا تھا کہ " نجات یہودیوں میں سے ہے۔" یعنی نجات کا علم یہود میں سے نکل کر دنیا میں پھیلے گا۔ اہل یہود دنیا میں نجات پھیلانے کا وسیلہ ہیں۔ خدا نے بنی اسرائیل کو اس لئے منتخب نہیں کیا تھا کہ صرف وہی نجات پائیں بلکہ خدانے یہود کے سپرد یہ خدمت کی تھی کہ وہ نجات کا علم دنیا کی اقوام میں پھیلائیں۔ اس رسالہ کی فصل دوم میں ہم یہ ثابت کرآئے ہیں کہ خدا نے اپنی توحید کے علم کو پھیلانے کے لئے بنی اسرائیل کو خادم کے طور پر چنا تھا نہ کہ منظورِ نظر کے طور پر چنا تھا۔ ان کی صحف انبیاء اس امر کی شاہد ہیں کہ "امت اسرائیل غیر قوموں کو روشنی دینے والا نور" مقرر کی گئی تھی (لوقا ۲: ۳۰تا ۳۲)۔ مثلاًاے بنی اسرائیل تم میرے گواہ ہو اور میرا خادم بھی جسے میں نے برگزیدہ کیا۔ میں ہی خدا ہوں سو تم میرے گواہ ہوگے۔ میں تجھے اقوام کے لئے نور کرونگا اور زمین کی انتہا تک تم میری نجات کے پیغام بر ہوگے۔" غرضیکہ جس طرح جرمن نقادولہاسن (Wellhasusen)کہتا ہے کہ بنی اسرائیل کا یہ عقیدہ تھا کہ لا الہ الا اللہ اسرائیل رسول

[1] Rashdall, Consceince and Christ .pp.79-85.

اللہ۔ اہل یہود کی روزانہ دعا میں یہ فقرہ ہے۔"اے خداوند ہمارے خدا کل کائنات کے بادشاہ تو مبارک ہے کہ تونے ہم کو اقوام عالم میں سے چن لیا ہے۔

(۲)

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیوں خدا نے خاص قوم یہود کو دنیا میں نجات کا پیغام دینے کے لئے منتخب کیا اور دوسری قوموں کو اس کے ذریعہ اپنے علم کا نور بخشا ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ع

ہر کسے را بہر کارے ساختند

الہیٰ انتظام ہی ایسا ہے کہ قدرت نے مختلف نعمتیں مختلف افراد اوراقوام کو عطا فرمائی ہیں۔ اور یہ انتظام ہم کو دنیا کی چھوٹی بڑی شے میں دکھائی دیتا ہے۔ مثلاًہمارے بدن کے مختلف اعضا کے سپرد مختلف کام کئے گئے ہیں اور تمام اعضا مل کر بدن کا سارا کام سر انجام دیتے ہیں۔خدانے ہاتھ کے سپرد ایک کام کیا ہے۔ آنکھ کو دوسرا کام دیا ہے۔ کان کو تیسرا علیٰ ہذا القیاس ہر ایک عضو کے سپرد ایک خاص کام ہے جو صرف وہی عضو بہترین طور پر کرسکتا ہے۔ اور کوئی دوسرا عضو اس خاص کام کو سر انجام نہیں دے سکتا۔ اسی طرح انسان کی تمدنی زندگی میں ایک استاد ہے تو دوسرا لوہار ہے۔ ایک سنُار ہے تو دوسرا طبیب ہے علیٰ ہذا القیاس ہر شخص کے سپرد قدرت نے ایک خاص کام کیا ہے اور اس خاص کام کرنے کے واسطے اس کو پیدا کیا ہے۔ وہ کام صرف وہی بہترین طور پر کرسکتا ہے اور دوسرا شخص اس کام کو ویسی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام نہیں دے سکتا۔ لیکن تمام افراد مل کر سوسائٹی کے کام کو چلارہے ہیں۔ اسی طرح قوموں کے سپرد قدرت نے مختلف نعمتیں کی ہیں اگر ہندوستان کو فلسفہ عطا کیا ہے تو روم کو قانون سازی کی نعمت عطا کی ہے۔ اگر جرمنی کو بال کی کھال نکالنے کی نعمت عطا کی ہے تو انگلستان کو تجارت کرنے کی نعمت عطا کی ہے۔ اگر یونان کو علم وفضل سے مالامال کیا ہے تو یہود کو خدا نے اپنی نجات کا علم بخشا ہے ۔ غرضیکہ قدرت نے ہر قوم

اورملک کو مختلف کام سپرد کئے ہیں۔ اور تمام اقوام اور ممالک مل کر نظام عالم کو چلارہے ہیں۔ جس طرح قدرت نے یونان کے ذریعہ تمام دنیا میں علم اور فلسفہ کی اشاعت کی ہے اور اس کے سپرد یہ خدمت کہ دنیا بھر میں علم اور فلسفہ کو پھیلائیں اسی طرح روم کے سپرد یہ خدمت کی کہ دنیا کوقانون سازی کا علم سکھائے۔ اسی طرح قدرت نے اہلِ یہود کے سپرد یہ خدمت کی کہ دنیامیں خدائے واحد کی ہستی کا اور اس کی ذات وصفات اور نجات کا علم پھیلائیں جس طرح یہ ایک تواریخی حقیقت ہے کہ تمام دنیا علم اور فلسفہ کے لئے یونان کی ممنون ہے اورقانون سازی کے لئے روم کی مرہون منت ہے اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کلُ دنیا خدائے واحد برحق اور لایزال کے علم اور اس کی نجات کے نور کے لئے اہلِ یہود کی شرمندہ احسان ہے۔

(۳)

جب ہم اہل یہود کی تاریخ پر نگاہ کرتے ہیں توہم دیکھتے ہیں کہ اس قوم میں جس کی ابتدا صحرا سے ہوئی اور دیگر شامی اقوام مثلاً اسماعیلی ، ادومی، موآبی،امونی وغیرہ اقوام میں (جن کے ساتھ ابتدامیں یہودی قوم کا خونی رشتہ تھا)۔ زمین وآسمان کا فرق ہے۔ دیگر اقوام جس سطح پرپہلے تھیں وہیں رہیں اورانہوں نے اس سے آگے ایک قدم بھی نہ بڑھایا بلکہ ان کو ایسا زوال آیا کہ دورِ حاضرہ میں کوئی ان اقوام کے نام سے بھی واقف نہیں۔ لیکن قوم بنی اسرائیل نے صحرائی فضا سے نکل کر حیرت انگیز ترقی کی ۔ وہ مصر میں گئے لیکن مصر کی زبردست تہذیب ان کو جذب نہ کرسکی حالانکہ وہ اس ملک میں غلامی کی حالت میں رہے۔ جب انہوں نے کنعان میں بدوُباش اختیار کی تو وہ اپنے ارد گرد کی کنعانی ، فلسطی اوردیگر بُت پرست ہمسایہ اقوام کی مشرکانہ راہ پر نہ چلی۔ مابعد کے زمانہ میں اس قوم کا سابقہ ارام، اسیریا، بابل ، مصر اور ایران ویونان وروم کے ساتھ پڑا اور ان میں سے بعض ممالک اس پر حکمران بھی رہے لیکن ان میں سے کوئی بھی اسرائیل کی ہستی کو مٹا نہ سکے۔ ایک زمانہ میں اس کا سابقہ فینیشیا(Phoenicia) کےساتھ پڑاجوایسی زبردست بحری طاقت تھی کہ دنیا کواپنے قبضہ میں لانے کے لئے سلطنت روم کامقابلہ کرتی تھی لیکن قوم یہود کے سامنے اس کی ایک نہ چلی۔ بحیرہ متوسط کے مشرقی ساحل کے ارد گرد کے ممالک میں سکندر اعظم کی فتوحات کی وجہ سے یونانی تہذیب حکمران رہی اور جب روم نے ان ممالک کو فتح کیا اس زمانہ میں بھی یونانی علم ادب اور تہذیب کا دور دورہ تھا اورساتھ ہی رومی تہذیب کا سکہ بھی جم گیا۔ اس یونانی رومی تہذیب کے غلبہ نے بحیرہ متوسط کے ممالک کی تہذیب کا خاتمہ کردیا اور معاملہ یہاں تک پہنچا کہ مصر کی زبردست تہذیب کے پاؤں بھی اکھڑگئے اور وہ بھی تاب مقابلہ نہ لاسکی لیکن یہ یونانی رومی تہذیب اپنی تمام طاقت کے باوجود قوم اسرائیل کے مذہب کی بلندی اور رفعت کو قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہ دیکھا۔ بنی اسرائیل نے ابتدا سے لے کرآخر تک اپنی انانیت کو ہاتھ سے نہ کھویا۔ روئے زمین کی تاریخ میں قوم اسرائیل کی جداگانہ ہستی ایک ایسا معجزہ ہے جس سے کسی مورخ کومجال انکار نہیں۔ یہ قوم فخریہ کہہ سکتی ہے کہ

یونان ومصر وروما سب مٹ گئے جہاں سے ۔۔۔ مٹتا نہیں ہے لیکن نام ونشاں ہمارا
کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری ۔۔۔ صدیوں رہا ہے دشمن دورِ فلک ہمارا

ہم کو یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ فی زمانہ جب ہم یونان اور روم کی تہذیب کا ذکر کرتے ہیں تووہ یونان اورروم جن کی تہذیب کا ذکر کیا جاتا ہے صفحہ ہستی سے ہمیشہ کے لئے مفقود ہوچکے ہیں۔ گو یہ ممالک آج کل دنیا کے نقشہ پر موجود ہیں اور یونان میں بستے ہیں اور روم ایک بڑی طاقت ہے لیکن دورِ حاضرہ کے یونان اورروم کا قدیم یونان اورروم کی تہذیب سے رتی بھر تعلق نہیں۔ وہ تہذیب مٹ چکی ہے اور حرف غلط کی طرح محو ہوچکی ہے ۔ لیکن بنی اسرائیل کا یہ حال نہیں۔ ان کی تہذیب مردہ نہیں اگرچہ وہ ارض مقدس میں من حیث القوم نہیں بستے۔

آخر کوئی وجہ تو ضرور ہے کہ یہ قوم جس کی سیاسی اور دنیاوی نقطہ نگاہ سے کچھ حیثیت نہیں زندہ ہے۔ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ رب العالمین نے اپنی پروردگاری میں اس حقیر قوم کو خاص طور پر چن لیا تھا تا کہ اقوام عالم کو خدا کا سبق سکھلائے۔ قوم یہود کو بھی اپنے مشن کا احساس تھا جبھی اس نے اپنے آپ کو کسی مشرکانہ بُت پرست قوم کفار میں جذب ہونے نہ دیا۔ ان کی تاریخ اس پیشین گوئی کو ثابت کرتی ہے جو بلعام نے ان کی نسبت کی تھی کہ " یہ لوگ اکیلے سکونت کرینگے اور قوموں کے درمیان شمار نہ کئے جائینگے"(گنتی ۲۳ : ۹)۔ ان کو بخوبی معلوم تھا کہ " خداوند نے یعقوب کو اپنے واسطے چن لیا اور اسرائیل کو اپنے خاص خزانے کے واسطے چنا"(زبور ۱۳۵ : ۴)۔ اس انتخاب کا مطلب یہ نہیں تھا کہ بنی اسرائیل کی قوم خدا کی منظورِ نظر ہے یا وہ جو چاہیں سو کریں خدا ہر حال میں ان کا مددگار ہوگا۔ بلکہ خدا نے صاف طور پر ان کو بتلادیا تھا کہ اس خاص تعلق کی وجہ سے ان پر چند ایک ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں کیونکہ یہ ایک قانونِ فطرت ہے کہ " جس کو زیادہ دیا جاتا ہے اس سےزیادہ طلب کیا جاتا ہے ۔" چنانچہ خداوند نے حضرت عاموس کےذریعہ ان کو خبردار کردیا تھا اور فرمایا تھا" اقوامِ عالم میں سے میں نے صرف کو تم کو جانا ہے اس لئے میں تم کو تمہاری ساری بدکاریوں کے لئے سزا دونگا۔"(۳:۲)۔ پس انتخاب کا مطلب یہ نہ تھا کہ بنی اسرائیل کی ذات کوفائدہ پہنچے بلکہ خدا کا یہ ازلی ارادہ تھا کہ بنی اسرائیل خدا کی معرفت کے لئے ایک تبلیغی قوم ہو۔ غیر اقوام کے درمیان وہ چمکنے والا نور ہوتا کہ سیدنا مسیح کی نجات کا علم پھیلانے کے لئے وہ اقوام عالم کو تیار کرے۔ اور منجئی عالمین کے پیغام کی پیشرو ہو۔ پس بنی اسرائیل کا یہ مشن تھا کہ یہ قوم خدا کے علم کو اقوامِ عالم میں پہنچانے کی خدمت کو پورا کرے اور اس قوم کو یہ احساس تھا کہ ان کی قوم فنا نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ وہ اپنے مشن کو پورا نہ کرے (حزقی ایل ۳۷: ۲۰تا ۲۸)۔ یہ ایک تواریخی حقیقت ہے کہ اس نکتہ نگاہ سے کل اقوام عالم میں کوئی دوسری قوم بنی اسرائیل کی ہم پلہ نہیں ہوئی۔

ابتدا ہی سے بنی اسرائیل اپنے خدا میں وحدانیت ، قدوسیت پاکیزگی اور رحم کی صفات کے قائل تھے۔ یہ صفات نہ تو ان کی ہمسایہ اقوام کے معبودوں میں اور نہ دنیا کی کسی قوم کے معبودوں میں پائی گئیں نہ تو ان معبودوں کے پرستاروں نے اپنے دیوی دیوتاؤں میں یہ صفات پائیں اور نہ یہ معبود اپنے پرستاروں سے پاکیزگی کے طالب ہوئے۔

دنیا کی تمام دیگر اقوام کی تاریخ میں ایک ایسا زمانہ آیا۔ جب ان اخلاقی نشوونما اس قدر ترقی کرگئی کہ وہ اپنے دیوی دیوتاؤں اور معبودوں کی صفات وعادات کی نکتہ چینی کرنے لگے۔ مثلاً کہ وہ چوری یا زناکاری کے مرتکب تھے ۔ بلکہ زناکاری بعض اقوام کی پرستش کا حصہ تھی جس طرح اہلِ ہنود کے بعض دیوی دیوتاؤں کی پرستش کا حصہ ہے۔ لیکن قوم اسرائیل کی تاریخ میں ایسا وقت کبھی نہ آیا۔ اسرائیل کا خدا خدائے قدوس اور تمام صفاتِ حسنہ کا جامع تھا جو اپنے پرستاروں سے پاکیزگی کا طالب تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ خدا نے صرف بنی اسرائیل کے ذریعہ اقوامِ عالم کو یہ تعلیم دی کہ خدا کی ذات نہ صرف ہر طرح کی بدی سے منزہ اور مبرا ہے بلکہ وہ ایک ایسی واحد اکبر اور قدوس ہستی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تم پاک ہو کیونکہ میں پاک ہوں"(احبار ۱۱ : ۴۴)۔

یہی وجہ تھی کہ سیدنا مسیح نے اہل یہود کے درمیان اپنی خدمت کو ایک حد تک محدود رکھنا مناسب خیال فرمایا اور ہمیشہ عہد عتیق کی کتب کا ہی استعمال فرمایا۔ آپ کی تعلیم میں اہل یہود کی لٹریچر کےعلاوہ کسی اور قوم کے علم ادب کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ حالانکہ اگر آپ چاہتے تو قدیم یونان کے فلسفیانہ خیالات اور ایران وہندوستان کے مذاہب کی کُتب کا ذکر کرسکتے تھے لیکن آپ نے ایسا نہ کیا کیونکہ اہل یہود میں قدرت نے مذہبی مزاج اور الہیٰ رغبت ودیعت کر رکھی تھی۔

(۴)

اہل یہود سامی نسل کے تھے اور دنیا کے بہترین انبیا اور تمام مذاہب کے عظیم الشان اشخاص اسی نسل سے پیدا ہوئے ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے لے کر رسولِ عربی تک جتنے انبیاء اور مصلحین پیدا ہوئے ہیں سب اسی نسل کے تھے۔ اہل یہود نے ہی خدا کا علم دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلادیا۔ آج دنیا کے عظیم الشان مذاہب نے صرف یہودیت سے ہی توحید کا علم پایا۔ مسیحی کتب مقدسہ میں یہودی کتب مقدسہ شامل ہیں اور اسلام کی کتاب قرآن مجید ببانگ دہل پکار کر یہودی کتب مقدسہ کو بنی نوع انسان کے لئے ہدایت ، نور کامل ، نعمت ،رحمت ،رہنما وغیرہ قرار دیتی ہے اوران کو امام الکتب والناس بتلاتی ہے۔ اور بانی اسلام اوراہل اسلام کو ہدایت کرتی ہے کہ ان کتب مقدسہ کے احکام پر چلیں۔

(۵)

اہلِ یہود کی کتب مقدسہ سے ہم کو معلوم ہوتاہے کہ کس طرح خدانے قوم اسرائیل کو اپنا پیغام تمام دنیا کو پہنچانے کی خدمت عطا فرمائی اور بنی اسرائیل کی تاریخ سے معلوم ہوتاہے کہ کس طرح خدا نے اس قوم کی تاریخ کی مختلف منازل میں اس کواس مبارک خدمت کو سرانجام دینے کے لئے تیار بھی کیا۔ پس منجئی کونین نے اس قوم میں کام کیا جس میں خدا نے خاص طورپر اپناعلم ودیعت کررکھا تھا اورجس کے سپرد یہ خدمت کی گئی تھی اورجو اس خدمت کے لئے الہیٰ انتظام کے مطابق تیار بھی کی گئی تھی۔آپ نے اپنے کام اورپیغام کو اسی قوم میں حد تک محدود رکھا تاکہ اس کو مبارک خدمت کے لئے زیادہ تیار کریں۔ کلمتہ اللہ اس دنیا میں نور ہوکرآئے اور تمام دنیا بھر کی اقوام میں صرف اہل یہود ہی ایسے تھے جن کو خدا نے اپنی نجات کا علم پھیلانے کے لئے تیار رکھا تھا وہ خدائے واحد قدوس کے قائل تھے اورمانتے تھے کہ حی القیوم خدا اس کائنات کا خالق اور پروردگار رہے جس نے دنیا کو ایک خاص مقصد کی خاطر پیدا کیاہے۔ اور واقعاتِ عالم میں سے کوئی واقعہ بھی اس کے علم اور ارادہ کے بغیر وقوع پذیر نہیں ہوتا۔ ان کے پاس مقدس کتابیں تھیں۔ ان کے پاس انبیا آئے تھے جو مسیح موعود کی آمد۔ صفات ، خصوصیات آپ کی صلیبی موت اور قیامت کی پیش گوئیاں کرچکے تھے۔ اہل یہود اس مسیح موعود کی آمد کے انتظار میں بے قرار تھے۔ پس ابن اللہ نے اپنی دور اندیشی اور حکمت عملی اور نکتہ رس طبیعت کی وجہ سے اس تیار زمین میں اپنی تعلیم کا بیج بویا (متی ۱۳: ۲تا ۹)۔ سیدنا مسیح نے بنی اسرائیل میں ایمان دیکھا اوران میں وسیع پیمانہ پر اپنا کام کیا۔ خداوند ایمان کی تلاش میں تھے اورجہاں کہیں آپ نے ذرا بھی ایمان دیکھا وہاں آپ نے کام کیا خواہ وہ ایمان اہل یہود میں دیکھا خواہ غیر یہود میں (مرقس ۵: ۱۹وغیرہ)۔ جہاں سیدنا مسیح نے تیار زمین دیکھی وہاں آپ نے اپنی تعلیم کا بیج بودیا (متی ۱۳: ۳۸تا ۳۹)۔ اورچونکہ سب سے زیادہ تیار زمین آپ کو اہل یہود میں ہی ملی لہذا آپ نے تین سال کے مختصر عرصہ میں اپنے کام اور پیغام کوایک حد تک اہل یہود میں محدود رکھا کیونکہ غیر اقوام خدا سے ناواقف اور بُت پرست تھیں۔ نہ وہ خدا پرایمان رکھتی تھیں نہ صحف مقدسہ ان کے پاس تھیں۔ اور نہ وہ مسیح موعود کی منتظر تھیں۔ ان کے سمجھانے کے لئے ایک عرصہ دراز اور مبلغین کی کثیر تعداد کی ضرورت تھی۔ اوریہاں سیدنا مسیح کے پاس صرف آپ کی زندگی کے چند ماہ اور معدودے چند حوارئین تھے جوآپ کی زندگی کے آخر تک آپ کے پیغام کی تہ کو نہ پاسکے (لوقا ۲۲: ۲۴، متی ۲۰: ۲۵، لوقا ۲۴: ۴۴، اعمال ۱: ۶ وغیرہ)۔ پس سیدنا مسیح نے اپنی دوراندیشی اور حکمت عملی کو کام میں لاکر اپنی خدمت کا اکثر حصہ اہل یہود میں صرف کیا تاکہ وہ اس برگشتہ قوم کو دوبارہ خدائے واحد کے قدموں میں لا کر ان کو اپنا وہ نصب العین یاد دلائیں جو ان کی کتبِ مقدسہ میں بار بار بتلایا گیا تھا اوران کے انبیاء نے جو کئی صدیوں سے خدا کی طرف سے مامور ہوکر ان کی طرف آئے تھے ان کو بار بار بتلایا تھا کہ وہ اقوام عالم میں خدا کی نجات کی اشاعت کا وسیلہ بننے کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں۔

(٦)

دور حاضرہ میں ہم ہندوستان کے مسلمانوں اور ہندوؤں کی مثال دے کر اپنے مطلب کو واضح کردیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص مسلمانوں میں سے مسیحیت کا حلقہ بگوش ہوجائے اور وہ اپنے خداوند اور منجئی کے پیغام کو اپنے ہم وطنوں پر ظاہر کرنا چاہے تو وہ ہندو اور مسلم جماعتوں میں سے کس جماعت میں پہلے اپنی تبلیغی کوششوں کو شروع کریگا؟ اگر اس کو یہ علم ہو کہ اس کی زندگی کے چند ماہ باقی ہیں اور اس کے معدودے چند شاگرد اس کے کلام کو کماحقہ نہیں سمجھتے اور اگر وہ خود ہندومذہب کے عقائد رسوم اور زبان وغیرہ سے نابلد ہو لیکن مسلم عقائد رسوم اور عربی فارسی زبان سے واقف ہو تو یہ ظاہر ہے کہ وہ اپنی خدمت کا اکثر حصہ مسلم حلقوں میں صرف کریگا کیونکہ مسلمان خدا پر، خدا کی کتابوں، رسولوں پر، نبوت پر، قیامت پر، حشر ونشر پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ کلمتہ اللہ سے نہ صرف واقف ہیں بلکہ آپ پر ایمان رکھتے ہیں۔ قرآن وحدیث میں آپ کی بابت بکثرت تصریحات موجود ہیں اور اہل اسلام آپ کی آمد ثانی کے منتظر اور بے قرار ہیں۔ اس کے برخلاف اہلِ ہنود مسیح سے محض نابلد ہیں نہ ان کے ویدوں میں آنخداوند کا ذکر ہے نہ ان کی کتب میں آپ کا نام اور نشان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسیحی کلیسیا اہل اسلام میں زیادہ سہولت کے ساتھ کام کرسکتی ہے۔

(٧)

تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ منجئی عالمین کے یہودی نژاد شاگردوں نے غیر اقوام میں منجئی عالمین کے پیغام کو پھیلایا۔ آپ کے رسول سب یہودی قوم کے تھے اور وہی غیر اقوام کے رسول بھی ہوئے ۔ ہم فصلِ چہارم وپنجم میں اس بات کا مفصل ذکر کرینگے کہ غیر یہود اقوام کی کلیسیائیں انہی یہودی نسل کے رسولوں کی وساطت سے منجئی عالمین کے قدموں میں آئیں۔ پس یہ زیر بحث سیدنا مسیح کی دورُبین نگاہوں اور حکمت عملی اور دورُاندیشی اور معاملہ فہمی پردلالت کرتی ہے نہ کہ آپ کے مشن کے محدود ہونے پر دال ہے۔

مسیحی نجات کی عالمگیری

پس کلمتہ اللہ کے کلمات طیبات، احکام، ہدایات، پیغام، لائحہ عمل اور طرز عمل سے ہر منصف مزاج شخص یہی نتیجہ اخذ کریگا کہ آپ کی نظر تمام دنیا کی کل اقوام پر تھی۔ دورِ حاضرہ میں ڈاکٹر مونٹی فیوری سے زیادہ قابل شخص یہودیت میں نہیں ہے ۔ ہم اس کے الفاظ ذیل میں درج کرتے ہیں تاکہ معترضین ان پر غور کرکے اپنے خیالات کی صیقلی کرسکیں۔ یہ یہودی عالم سوال کرتا ہے کہ کیا مسیح کی بادشاہت عالم گیر ہے؟ کیا اس نئی بادشاہت میں قومیت کی امتیاز نہیں ہے؟ کیا یہود اور غیر یہود مسیحی خدا کے سامنے برابر ہیں؟ ان سوالات کے جواب میں کہتا ہے کہ " یہ ماننے کے لئے کافی دلائل موجود ہیں کہ دیگر یہودی انبیا کی طرح سیدنا مسیح کا بھی خیال تھا کہ اس کی نئی بادشاہت میں غیر اقوام کے ایماندار خارج شدہ یہودی گنہگاروں کی جگہ لے لینگے ۔ مشرق اور مغرب شمال اور جنوب سے غیر اقوام آئینگی اور آسمانی ضیافت میں ابراہیم کی حقیقی اولاد بنی اسرائیل کے ساتھ برابری کے درجہ حاصل کرینگی۔ایک اور امر میں جنابِ مسیح کے خیالات اپنے ہمعصروں کے خیالات سے بلند وبالا تھے۔ اس نے اہل یہود کی قومی تنگ نظری کو بالکل نظر انداز کردیا جہاں تک ان غیر مکمل متعصب اور یکطرفہ انجیلی بیانات سے پتہ چل سکتا ہے ہم کو ماننا پڑتا ہے کہ سیدنا مسیح اپنی بادشاہت کو کوئی یہودی سلطنت خیال نہیں کرتا تھا۔ اس کی بادشاہت میں یہود کو غیر یہود پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ اس بادشاہت میں نہ کوئی حکم ہے نہ کوئی محکم اور نہ کوئی باجگزار ہے۔ اگر بادشاہت میں کوئی درجہ بندی ہے تو وہ خدمت کے لحاظ سے ہے۔ اس میں سب سے بڑا وہ ہے جو سب کا خادم ہے۔[1]

Montifiori, Religious Teachings of Jesus. [1]

ایک اور یہودی ربی ڈاکٹر کلاسنر کہتا ہے کہ جناب مسیح نے یہودی انبیا کی تعلیم سے تمام قومی اور سیاسی امور کو خارج کرکے اپنی تعلیم کو عالمگیر بنادیا۔[1]۔ پھر ایک اور جگہ کہتاہے کہ " یہ حق ہے کہ یہودیت سے مسیحیت پیدا ہوئی ۔ یہی وجہ ہے کہ یہودیت اور مسیحیت میں مماثلت اور مشابہت ہے لیکن یہ بھی حق ہے کہ یہودیت کے ساتھ مسیحیت نے کسی قسم کی مصالحت نہ کی اور اس نے اپنے اُصول کو اپنی راہ پر چلایا اور یہی وجہ ہے کہ یہودیت اور مسیحیت میں مغائرت اور فرق عظیم ہے[2]۔ ہمیں امید ہے کہ اہل اسلام اہل یہود ہی سے انصاف کی بات کرنا سیکھینگے جن کو قرآن نے گدھے کی طرح حامل تورات" (سورہ جمعہ آیت ۴)۔ "نا خلف" (اعراف ۱٦٨ ، مریم ٦٠) اور "سیاہ دل " (مائدہ ١٦) کے خطبات دے رکھے ہیں۔

---

[1] Klausner, Jesus of Nazareth, pp.117,369−411

[2] IBID.p 10.

فصل چہارم

حوارئین کی تحریرات اور طریق عمل

اگر کوئی شخص ابن اللہ کے احکام کے حقیقی منشا اور اصلی مطلب کو سمجھ سکتا تھا تو وہ آپ کے حواری تھے۔ آپ کے رسول آپ کی صحبت سے ہر وقت فیض یاب ہوتے تھے۔ چنانچہ ان کو یہ شرف حاصل تھا کہ انہوں نے آپ کے کلمات طیبات کو" خود اپنے کانوں سے سنا اور آپ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا بلکہ غور سے دیکھا اور اپنے ہاتھوں سے چھوا۔ ہم نے اس کو دیکھا اور اس کی گواہی دیتے ہیں اور اسی ہمیشہ کی زندگی کی تم کو خبر دیتے ہیں۔ جو کچھ ہم نے دیکھا اور سنا ہے اس کی تم کو خبر دیتے ہیں تاکہ تم بھی ہمارے شریک ہو اور یہ باتیں ہم اس لئے لکھتے ہیں کہ ہماری خوشی پوری ہوجائے"(۱ - یوحنا پہلا باب)۔ یہ حوارئین تبع تابعین کے گروہ میں سے نہ تھے بلکہ یہ وہ لوگ تھے جن کو آپ کی رفاقت میں رہنے کا فخر ہر وقت حاصل تھا اور آپ کے اٹھنے بیٹھنے ، چلنے پھرنے ، کھانے پینے ، سونے جاگنے ، ہنسنے رونے ، مذاق طبعیت ، انداز گفتگو ، طرز زندگی ، غرضیکہ آپ کی ایک ایک ادا سے واقف تھے۔ وہ کلمتہ اللہ کے ساتھ شروع سے آخر تک رہے (یوحنا ۱۵ : ۲۷۔ اعمال ۱ : ۲ وغیرہ) ۔ پس آپ کے رسول مابعد کی نسلوں سے زیادہ اور گمراہ کن مفسرین سے کہیں زیادہ اپنے آقا اور مولا کے نصب العین مطمع نظر اور اصلی مقصد کو جانتے تھے۔ جب ہم ان شاگردوں اور حواریوں کے لائحہ عمل ، طرز عمل ، تعلیم ، ہدایات اور احکام پر غور کرتے ہیں تو ہم پر یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ منجئی عالمین کے سب شاگرد اور کل حوارئین یہی سمجھے کہ آنخداوند صرف اہل یہود کے لئے مبعوث ہو کر نہیں آئے تھے بلکہ آپ دنیا کی کلُ اقوام اور بنی نوع انسان کے منجی ہو کر اس دنیا میں آئے تھے۔

(۲)

خداوند کی آخری ہدایات کے مطابق شاگردوں نے اول ہی اول یروشلیم میں گواہی دینی شروع کی۔ ابن اللہ کے صعود آسمانی کے بعد مومنین کا گروہ مبلغین کی عظیم الشان جماعت میں تبدیل ہوگیا۔ انہوں نے یروشلیم کو مرکزی مقام قرار دے کر آس پاس کے گاؤں، قصبوں اور شہروں میں انجیل کی بشارت کی خدمت شروع کردی۔ اہل یہود ان کو طرح طرح کی ایذائیں دینے لگے تاکہ وہ اس بات سے باز آجائیں (اعمال ۴: ۱۸) لیکن

کشتگان خنجر تسلیم را۔ ہر زماں از غیب جانے دیگر است

ایذارسانیوں نے ان کی آتش شوق کو دوبالا کردیا۔ع

حدیٰ را تیز ترمیخوں چو محمل را گراں بینی

فلپس شہر سامریہ میں جا کر منادی کرنے لگا اور لوگوں نے بالاتفاق اس کی باتوں پر جی لگایا۔ جب رسولوں نے جو یروشلیم میں تھے سنا کہ سامریوں نے خدا کا کلام قبول کرلیا تو پطرس اور یوحنا کو ان کے پاس بھیجا وہ گواہی دے کر اور خدا کا کلام سنا کر یروشلیم کو واپس ہوئے اور سامریوں کے بہت سے گاؤں میں خوشخبری دیتے گئے "(اعمال ۸ باب)۔جائے غور ہے کہ وہ یہود جو سامریوں کے ساتھ صدیوں سے پرخاش رکھتے تھے مسیح میں ہو کر اپنے یہودی تعصبات سے کلیتہً ایسے آزاد ہوجاتے ہیں کہ اپنے جانی دشمنوں کو مسیحی اخوت کی عظیم الشان برادری میں داخل کرنے کے لئے سر توڑ کوشش کرتے ہیں۔ اب کی دفعہ جب مقدس یوحنا سامریہ میں گیا ہوگا تو کیا وہ جگر خراش واقعہ یاد نہ آیا ہوگا جب سامریوں نے خداوند کو اور آپ کے شاگردوں کو اپنے گاؤں سے نکال دیا تھا اور ایسا بُرا سلوک کیا تھا کہ مقدس یوحنا کا جی چاہتا تھا کہ آگ آسمان سے برسے اور ان کو بھسم کردے ؟(لوقا ۹: ۵۴)۔ لیکن سیدنا مسیح کی روح نے ہر طرح کی کدورت اور ملال بغض اور عداوت کو اس کے دل سے نکال دیا(۹: ۵۵)اور وہ " سامریہ کے بہت سے گاؤں میں خوشخبری دیتے گئے۔"اور ان کے باشندوں کو مسیحی کلیسیا کی برادری میں شامل کرتے گئے (اعمال ۸: ۱۷)۔

مقدس فلپس نے ایک حبشی وزیر کو بپتسمہ دیا (اعمال ۸: ۳۸) مقدس پطرس نے کرنیلیس کو جو غیر قوم اور اٹلی کا صوبہ دار تھا بپتسمہ دیا۔ (۱۰: ۴۸)۔ اور اس کے گھر میں غیر یہود کو انجیل جلیل کی عالمگیری پر درس دیا(۱۰ باب)۔ منجئی کونین کے مصلوب ہونے کے تین سال کے اندر مسیحیت دمشق تک پھیل گئی۔وہاں اس نے ایسی جڑ پکڑی کہ یروشلیم کے سردار کاہنوں نے شاؤل کو خطوط دئے تاکہ جن لوگوں کو وہ مسیحیت پر پائے "خواہ مرد خواہ عورت ان کو باندھ کر یروشلیم میں لائے"(۹: ۲) مقدس ستفنس کے شہید ہونے پر سیدنا مسیح کے نام پر چارک انطاکیہ تک چلے گئے۔ اور انہوں نے یونانیوں کو بشارت دی" اور خداوند کا ہاتھ ان پر تھا اور بہت سے لوگ ایمان لا کر خداوند کی طرف رجوع لائے۔ ان لوگوں کی خبر" یروشلیم کی کلیسیا کے کانوں تک پہنچی اور انہوں نے برنباہ کو انطاکیہ تک بھیج دیا۔ وہ پہنچ کر اور خدا کا فضل دیکھ کر خوش ہوا"(۱۱: ۲۱)۔ واقعہ صلیب کے تین سال کے اندر اندر شاگردوں نے یہ سب کچھ کردیا۔ روسائے یہود نے منجئی عالمین کو مصلوب کرکے اپنے زعم باطل میں آپ کی رسالت اور نجات کے پیغام کا خاتمہ کردیا تھا لیکن وہ اب خواب گراں سے جاگے۔ انہوں نے یہودیت کو قائم رکھنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے اور بے گناہ مسیحیوں کو ایذادینے پر کمر باندھ لی لیکن شہیدوں کا خون کلیسیا کا بیج ثابت ہوا۔ خداوند کے مصلوب ہونے کے بیس سال کے اندر انطاکیہ جو شرکِ زناکاری اور شہوت پرستی کا گھر تھا۔ انجیل جلیل کی بشارت کا صدر مقام بن گیا۔ اس جگہ سے سلطنت روما کے مختلف صوبے مثلاً گلاتیہ، مقدونیہ، آکیہ، ایشیائے کوچک وغیرہ کے بعد دیگرے مسیحیت کے حلقہ بگوش ہوگئے۔ اسی صدر مقام سے افسس اور جزائر ایجیئن میں بشارت کا کام ادا کیا گیا۔ انجیل کے علم بردار سمندر پار کرکے شہر روم میں جا پہنچے جو اس زمانہ کی معلوم دنیا کا مرکز تھا۔

سیدنا مسیح کی موت کے چالیس سال بعد رومی افواج نے یروشلیم کو تباہ اور برباد کردیا اوراس واقعہ کے بعد مسیحیت اوریہودیت کے تعلق کا آخری رشتہ ٹوٹ گیا اور خداوند کے حوارئین اور تابعین نے پہلی صدی کے اختتام سے پیشتر غیر اقوام اور غیر یہود علاقوں میں روم اور افسس جیسی مختلف اور دوردراز جگہوں میں تبلیغی مساعی کے صدر مقام بنالئے۔(Harnack, Expansion of Christianity)صلیب کے رسول یونان کو بھی انجیل کا فرحت افزا پیغام سنا گئے اور جزیرہ نما اطالیہ اور ہسپانیہ غرض" زمین کی انتہا" تک مژدہ جانفزادے گئے ۔ خداوند کے حواریوں اور رسولوں نے اس زمانہ کی معلوم دنیا کے ہر ملک اور ہر قوم کو منجئی عالمین کی نجات کا پیغام دے دیا۔

(۳)

قابل غور بات یہ ہے کہ یہ مبلغین جنہوں نے انجیل کی خاطر ایسی شاندار خدمات سرانجام دیں یہودی نسل کے لوگ تھے ہم گذشتہ فصل میں بتلاچکے ہیں کہ یہود کس نفرت کے ساتھ غیر یہود سے پیش آتے تھے لیکن ابن اللہ کی تعلیم اور نمونہ نے اور مسیح کی روح نے ان مبلغین کے دلوں میں سے ہر قسم کے قومی اور نسلی امتیازات اور تعصبات کو نکال دیا تھا۔ رسولوں کے اعمال کی کتاب کا مصنف خود غیر اقوام میں سے مشرف بہ مسیحیت ہوا تھا لیکن اس کتاب کے کسی لفظ سے بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ مسیحی کلیسیا کی اخوت اور برادری میں یہودی عنصر نے غیر یہود کو جو مسیح پر ایمان لائے تھے نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھا ہو یا غیر یہود نے جو مسیحیت کے حلقہ بگوش ہوگئے تھے ان لوگوں کو جو اہل یہود سے کلیسیا میں داخل ہوئے تھے" بغض یا عداوت کی نظر سے دیکھا ہو۔ تصنیفِ اعمال الرسل یہ ثابت کرتی ہے کہ اس کے غیر قوم مصنف کو قوم یہود سے کسی قسم کا عناد نہ تھا۔ پس مسیحیت کا یہ معجزہ شروع سے ہی چلا آیا ہے کہ جو اشخاص مختلف اقوام میں سے اس میں داخل ہونے کا شرف حاصل کرتے ہیں وہ ہر طرح کے قومی نسلی امتیازات ، تعصبات اور درجہ بندیوں سے آزاد ہو کر مسیحی محبت کے بندوں میں جکڑے جاتے ہیں۔ لیکن

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم   چشمہ آفتاب راچہ گناہ

مقدس پولوس اور مسیحیت کی عالمگیری

معترضین جو یہ اعتراض کرتے ہیں کلمتہ اللہ کی رسالت اور پیغام صرف اہلِ یہود تک ہی محدود ہے۔ اب اس مشکل میں گرفتار ہوئے کہ مسیحیت کی غیر یہود کے درمیان پھیلنے کی حقیقت کی تاویل کس طرح کریں۔ انہوں نے یہ رویہ اختیار کیا کہ کلمتہ اللہ کو توصرف ایک یہودی مصلح بنایا اور غیر یہود کے درمیان انجیل کی اشاعت کا سہرا مقدس پولوس کے سر پر باندھ دیا اورکہا کہ غیر اقوام کے درمیان مسیحیت کی اشاعت کا خیال پولوس رسول کے دل میں پیدا ہوا اور اسی نے مسیحیت کو عالم گیر مذہب بنادیا اور نہ کلمتہ اللہ نہ تو کسی نئے مذہب کے بانی تھے اور نہ غیر یہود دنیا میں مسیحیت کی اشاعت آپ کے خیال میں کبھی آئی تھی۔"

فصل سوم میں ہم نے یہ ثابت کردیا ہے کہ یہ خیال بالکل غلط اور باطل ہے ۔ سیدنا مسیح نے خود ایک عالمگیر مذہب کی بنیاد رکھی۔ کلمتہ اللہ کے اپنے لائحہ عمل طرز عمل ، تعلیم ، ہدایات اوراحکام وغیرہ سے یہ ظاہر ہے کہ آپ کا یہ خیال تھا کہ آپ کل دنیا کے منجئی ہو کر آئے ہیں۔ یہ اصحاب مقدس پولوس کو وہ وقعت دیتے ہیں جس کا وہ مستحق نہیں ہے۔ مقدس پولوس کے ایک عظیم الشان انسان ہونے میں کسی صحیح العقل شخص کو شبہ نہیں ہوسکتا لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ " شاگرد استاد سے بڑا نہیں ہوتا (یوحنا ۱۳: ۱۶)۔ مسیحیت کی اشاعت کا خیال منجئی عالمین سے شروع ہوا۔ اور مقدس پولوس کے مسیحی ہونے سے پہلے خداوند کے رسولوں نے غیر یہود اور سامریوں حبشیوں وغیرہ کو مسیحیت کا حلقہ بگوش کرلیا تھا مسیحی ہونے کے بعد مقدس پولوس نے بھی دیگر رسولوں کی طرح (۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۱۱)اپنے آقا اور مولا کی ہدایت پر عمل کرکے انجیل جلیل کو غیر اقوام میں پہنچایا (۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۱تا

۱۱)۔ اس کی تقریروں اور تحریروں سے ظاہر ہے کہ وہ خداوند کی عالمگیر شخصیت اور جامع ہستی اور عالم گیر نجات کی گرفت میں ایسا جکڑا ہوا ہے کہ وہ انجیل کا پیغام سنائے بغیر رہ نہیں سکتا وہ وارفتہ اور "بے خود " ہے ۔ مسیح کی محبت اس کو مجبور کرتی ہے۔" (۲ ۔ کرنتھیوں ۵: ۱۳)۔ نجات کا پیغام سنانا اس کی زندگی کے لوازمات میں سے ہے وہ کہتا ہے کہ " اگر میں انجیل سناؤں تو میرا کچھ فخر نہیں کیونکہ یہ تو میرے لئے ضروری بات ہے بلکہ مجھ پر افسوس ہے اگرا نجیل نہ سناؤں "(۱ ۔ کرنتھیوں ۹: ۱۶)۔ انجیل کی خاطر اس نے " اپنے آپ کو سب کا غلام بنادیا" (۱۔ کرنتھیوں ۹: ۱۶ تا ۱۹)۔ ع

اے شیخ پاک دامن معذور دار مارا

تعجب یہ ہے کہ مقدس پولوس اپنے آپ کو خداوند " یسوع مسیح کا عبد" (رومیوں ۱: ۱) کہے اور اپنے آپ کو کلمتہ اللہ کا " رسول ہونے کے لائق" نہ سمجھے (۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۹)۔ اور یہ اصحاب اس کو اس کے آقا۔ مولا اور منجئی سے افضل سمجھیں۔ یا بوالعجب! حق تو یہ ہے کہ جیسا پولوس رسول خود اس بات کا اقبال کرتا ہے۔ سیدنا مسیح نے ہی اس کو یہودیت کی غلامی سے آزاد کیا تھا اور اس طرح وہ خود آزاد ہو کر عالم گیر مسیحیت کا بانی نہیں بلکہ آزاد مسیحیت کا ایک اعظیم الشان واعظ بنا۔

من بندہ آزادم عشق است امام من

عشق است امام من عقل است غلام من

(۲)

معترضین اپنے دعویٰ کے ثبوت میں رسولوں کے اعمال کی کتاب کے پندرھویں باب کو پیش کرتے جب کلیسیا نے یروشلیم میں مسیحیوں کے موسوی شریعت کے تابع ہونے کے خلاف فیصلہ کیا تھا۔ لیکن یہ معترضین اس بات کو نہیں سمجھتے کہ اس کانفرنس میں متنازعہ فیہ امر یہ نہیں تھا کہ غیر اقوام کو انجیل کی بشارت دی جائے یا نہ بلکہ سوال یہ تھا کہ کن شرائط پر ان کو کلیسیا میں شامل کیا جائے۔ یہ اصول تو پہلے ہی قائم ہو گیا تھا کہ مسیح ابن اللہ یہود اور غیر یہود دونوں کو نجات دینے والے ہیں لیکن حل طلب مسئلہ یہ تھا کہ کیا کلیسیا میں داخل ہونے سے پہلے غیر مختونوں کا ختنہ کرنا ضروری ہے یا کہ نہیں ؟ بالفاظ دیگر کیا مسیحی کلیسیا کے گلے کا دروازہ یہودیت ہے جس میں سے اقوام عالم کا گذر کر مسیحیت میں داخل ہونا ہے؟

اگر یہ نہیں تو موسیٰ کی شریعت میں سے کس کس قانون اور شرع پر عمل کرنا ان لوگوں پر فرض ہے جو غیر اقوام سے مسیحی ہوں ؟ ہم دیکھ چکے ہیں کہ خود منجئی عالمین نے غیر اقوام کے درمیان انجیل کی بشارت کا حکم دیا تھا اور اعمال کی کتاب سے ظاہر ہے کہ اس کانفرنس کے نعقاد سے کئی سال قبل غیر یہود اور غیر مختونوں میں انجیل جلیل کے پیغام کی بشارت دی جاچکی تھی لہذا یہ امر زیر بحث نہیں تھا۔ سیدنا مسیح نے اپنی زبان مبارک سے کلیسیا میں شمولیت کی شرائط نہیں بتلائی تھیں لیکن خداوند نے یہ وعدہ کیا تھا کہ روح القدس یعنی سچائی کا روح آئیگا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائیگا "(یوحنا ۱۶: ۱۳)۔ یروشلیم کی کانفرنس میں اس سچائی کے روح نے رسولوں کی معرفت فیصلہ دیا(اعمال ۱۵: ۲۸)۔ کہ غیر مختونوں مسیحی موسوی شریعت کے تابع نہیں ہیں۔ کتاب اعمال الرسل سے ظاہر ہے کہ مقدس پطرس غیر قوم کرنیلیس کے گھر اس واسطے نہیں جانا چاہتا تھا کیونکہ " اس کو غیر قوم والے سے صحبت رکھنی یا اس کے ہاں جانا ناجائز تھا" نہ کہ وہاں انجیل کی بشارت نہ کرے۔ مقدس پطرس پر یروشلیم میں الزام لگایا گیا تھا کہ " تونا مختونوں کے پاس گیا اور ان کے ساتھ کھانا کھایا" نہ کہ کیوں" غیر قوموں نے بھی خدا کا کلام قبول کیا"(۱۱: ۱ تا ۲)۔ اس کے برعکس یہودی مسیحیوں نے یہ سن کر خدا کی بڑائی کرکے کہا بیشک خدا نے غیر قوموں کو بھی زندگی کے لئے توبہ کی توفیق دی ہے" (۱۱: ۱۸)۔

(۳)

مقدس پولوس کے تیز فہم نے مسیحی ہونے سے پہلے ہی کلمتہ اللہ کی تعلیم اور آپ کے رسولوں کی تعلیم اور طرزِ عمل سے یہ معلوم کرلیا تھا کہ مسیحیت عالم گیر ہے۔ اہل یہود نے اپنے معبود یہوواہ کے ساتھ وفاداری کا عہد باندھا ہوا تھا اور اسی وجہ سے وہ یہوواہ کی خاص امت کہلاتے تھے لیکن مقدس پولوس نے دیکھا تھا کہ مسیحی یہوواہ کی بجائے ایک دوسرے شخص یسوع ناصری کےساتھ وفاداری ، ارادت وعقیدت کے جذبات رکھتے ہیں اور یسوع ناصری بھی وہ جو اس کے خیال میں شرع کی رو سے کافر اور مجرم ثابت ہو کر مصلوب کردیا گیا تھا لہذا وہ ابتدا ہی سے بالفاظ مرحوم خواجہ کمال الدین" ان کا جانی دشمن تھا ان کی ایذا رسانی میں اس نے کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا"(ینابیع صفحہ ۱۲۴)۔ جس مسیحیت کے ساتھ پولوس رسول کا سابقہ پڑا تھا وہ محض یہودیت کی اصلاح نہ تھی۔ اگروہ محض اصلاحی تحریک ہوتی تو پولوس رسول اس تحریک کا "جانی دشمن" نہ ہوتا بلکہ وہ اس کا زبردست حامی ہوتا۔ ابتدا ہی سے وہ اس نتیجہ پر پہنچ گیا تھا کہ یہودیت اور یسوع ناصری کے اصول ایک دوسرے کے نقیض ہیں اور اس نتیجہ کے ساتھ یہودی ربی سردار کاہن ، فقیہ ، فریسی غرض تمام علمائے امتِ یہود متفق تھے اور اسی سبب سے ان شقی دل علماء نے سید الشہدا خداوند مسیح کو مصلوب کروادیا تھا۔

مقدس پولوس " غیر قوموں کا رسول " کہلاتا ہے لیکن جب ہم آپ کی یہودی تعلیم وتربیت اور قومی جذبات کی طرف نظر کرتے ہیں (گلتیوں ۱: ۱۴وغیرہ) توہم پر عیاں ہوجاتا ہے کہ یہود کے عوض غیر اقوام میں انجیل کی بشارت دینے کے لئے جانا آپ کے لئے کیسا مشکل ثابت ہوا ہوگا۔ اپنے لوگوں کوجو" وعدہ کے وارث تھے ترک کرنا" اور بے شرع نامختونوں " کے پاس جو" نہ ابراہیم سے اور نہ اس کی نسل " سے تھے جا کر خدا کے فضل کی خوشخبری دینا آپ پر کتنا شاق گذرا ہوگا ۔(اعمال ۱۳: ۴۴تا ۴۷)۔ اس سے ہم اندازہ کرسکتے ہیں کہ آپ غیر قوموں کے رسول ہونے کی الہیٰ بلاہٹ کو "گلتیوں (۱: ۱۶ ، اعمال ۹: ۱۵) کس قدر محسوس کرتے تھے۔ صرف ایک یہودی ہی اس بات کا کماحقہ اندازہ کرسکتا ہے کہ جب آپ کو اپنی بلاہٹ کا احساس ہوا ہوگا تو یہ معاملہ آپ پر کتنا شاق گذرا ہوگا۔ آپ نے "پینے کی کیل" پر کتنی بار " لات" چلائی ہوگی۔ لیکن منجئی عالمین کی روح نے مقدس پولوس کو بلاآخر " غیر اقوام کا رسول بنا کر چھوڑا"(گلتیوں ۱: ۱۵و۱۲)۔

اگرہم دورِ حاضرہ سے مثال لیں تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسا فی زمانہ جرمنی کا ہٹلر اہل یہود کو پامال ، برباد ، قتل اور غارت کرنے کی بجائے ان کو اور تمام دنیا کو یہ تعلیم دے کہ جرمنی کے اصل باشندے اوراہل یہود سلطنت جرمنی میں مساوی حقوق رکھتے ہیں اور ان میں اور اصل جرمن میں ہر طرح کی درجہ بندی کا خاتمہ ہوگیا ہے۔ اگرہماری قوتِ متخیلہ اس بات کی متحمل ہوسکتی ہے کہ ہٹلر غارت گرہونے کی بجائے اس اصول کا زبردست مبلغ اور عظیم الشان واعظ ہوجائے توہم کچھ کچھ سمجھ سکینگے کہ غارت گرشاؤل پر یہ امر کس قدر شاق گذرا ہوگا کہ ایسی انجیل کی منادی کرے جو یہود اور غیر یہود میں کسی قسم کی تمیز روا نہیں رکھتی تھی۔

ہم کو یہ بات ہر گز فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اس زمانہ میں یہود اور غیر یہود کے درمیان ایک ایسی خلیج حائل تھی جو نہایت وسیع تھی اور جس کو مسیحیت کے سوا کوئی اور شے عبور نہ کرسکی۔ حقارت صرف اہل یہود تک ہی محدود نہ تھی بلکہ غیر یہود اور یونانی بھی یہود کو نفرت اور کراہیت کی نگاہ سے دیکھتے تھے حتیٰ کہ ارسطو جیسا فلاسفر نوع انسانی کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے یونانی اور وحشی، اورکہتا ہے کہ فطرت نے یونانیوں کو حکمران اور دوسروں کو محکوم ہونے کے لئے پیدا کیا ہے ۔(Politics, 253 b,1263a) اس کے برعکس مسیحیت کے مبلغ یہ تعلیم دیتے تھے کہ خدا ازل سے یہود وغیر یہود کو پیار کرتا ہے اورہر قسم کی درجہ بندی قانون فطرت کے خلاف ہے ۔(افسیوں ۳: ۴تا ۶ ، کلیسیوں ۱: ۲۶ تاآخروغیرہ)۔

ہوس نے ٹکڑے ٹکڑے کردیا ہے نوعِ انسان کو

اخوت کی زباں ہوجا۔ محبت کا بیاں ہوجا

مقدس پولوس بار بار ذکر کرتا ہے کہ خدا کی نظر میں یہود اور غیر یہود میں کوئی تمیز نہیں اوریہود کو غیر یہود پر کوئی ترجیح حاصل نہیں (رومیوں ۱۰: ۱۲، ۱۶: ۲۵ وغیرہ) ابن اللہ نے اس دنیا میں آکر اس حقیقت کو مہر نیمروز کی طرح روشن کردیا۔ پولوس رسول اس حقیقت پر اصرار کرتا ہے کہ مسیح میں یہود اور غیر یہود خدا کی بادشاہت میں مساوی طور پر شریک ہیں اور غیر اقوام کے مسیحیوں کو یاد دلاتا ہے کہ " تم جو جسم کی رو سے غیر قوم والے ہو اگلے زمانہ میں مسیح سے جدا اور اسرائیل کی سلطنت سے خارج اور وعدہ کے عہدوں سے ناواقف اور نا امید اور دنیا میں سے خدا سے دور تھے۔ اب مسیح کے سبب سے نزدیک ہوگئے ہو جس نے یہود اور غیر قوم دونوں کو ایک کرلیا اورجدائی کی دیوار کو جو بیچ میں حائل تھی ڈھادیا"(افسیوں ۲: ۱۱)۔ یہ رسول بار بار اپنے خطوط میں مسیحیوں کو جتلاتا ہے کہ وہ سب خواہ یہود ہوں خواہ غیر یہود سیدنا مسیح میں وعدہ کے شریک اور آپس میں ہم میراث ہیں(۱۔کرنتھیوں ۱۲: ۱۳، افسیوں ۳: ۴تا ۶، کلیسیوں ۱: ۲۶، رومیوں ۱۰: ۱۲، کلیسیوں ۳: ۱۱ وغیرہ) گلاتیہ کے مسیحیوں کی طرف جو خط آپ نے لکھا وہ اسی جذبہ کے جوش سے معمور ہے (۳: ۲۸ وغیرہ)۔روم کے مسیحیوں کی طرف جو خط آپ نے لکھا اس میں آپ نے اس قضیہ کو منطقیانہ استدلال سے ثابت کیا ہے کہ روحانی امور میں یعنی گناہ کی واضح اور عالمگیر حقیقت اور نجات کی ضرورت میں یہودیوں ، یونانیوں اور دیگر اقوام کے افراد میں کسی طرح کا فرق نہیں ۔ خداوند یسوع مسیح کل بنی نوع انسان کا منجی ہے (افسیوں ۲: ۱۱تا ۱۴)۔

رسولوں کی تحریرات اور مسیحیت کی عالمگیری

انجیل جلیل ستائیس کُتب اور مکتوبات پر مشتمل ہے اور یہ تمام کتابیں خداوند کے مختلف رسولوں نے اسی مقصد کے لئے لکھیں کہ یہود اور غیر یہوددونوں کو نجات کا علم ہوجائے۔ انجیل نویسوں نے اپنی اناجیل اس بات کوظاہر کرنے کے لئے تحریر کیں کہ منجئی عالمین کل اقوام کا نجات دہندہ ہے اور اقوام عالم کو معلوم ہوجائے کہ مسیح کے نام سے غیر قومیں امید رکھینگی"(متی ۱۲: ۲۱) تاکہ " سب قوموں میں انجیل کی منادی کی جائے تاکہ ان کے لئے گواہی ہو"(مرقس ۱۰: ۹تا ۱۰)۔تاکہ " جن باتوں کی غیر یہود اقوام نے تعلیم پائی ہے ان کی پختگی ان کو معلوم ہوجائے"(لوقا ۱: ۴) تاکہ " تم ایمان لاؤ کہ یسوع ہی خدا کا بیٹا مسیح ہے اورایمان لا کر اس کے نام سے زندگی پاؤ"۔(یوحنا ۲۰: ۳۱)۔رسولوں کے اعمال میں ان تبلیغی مساعی کا مفصل ذکر ہے جوخداوند مسیح کی موت کے بعد ہی یہود اور غیر یہود دونوں میں کی گئیں پولوس رسول کےمکتوبات ایک مبلغ مسیحیت کے خطوط ہیں جوآپ نے وقتاً فوقتاً تبلیغی ضروریات کے ماتحت اپنے نومریدوں کو لکھے تھے۔ ان سب کا اول اورآخری مقصد اور ابتدا اور انتہا اور علِ غائی الف سے لے کر ی تک صرف یہی ہے کہ " یہ بات سچ ہے اور ہر طرح سے قبول کرنے کے لائق ہے کہ یسوع مسیح گنہگاروں کو نجات دینے کے لئے دنیا میں آیا" (۱۔ تمطاؤس ۱: ۱۵)۔مقدس یوحنا اپنے مخاطبوں کو کہتا ہے کہ ہم " اس زندگی کے کلام کی بابت جسے ہم نے دیکھا تم کو خبر دیتے ہیں تاکہ تم بھی ہمارے شریک ہو اورہماری شراکت باپ کے ساتھ اوراس کے بیٹے یسوع مسیح کےساتھ ہے اور یہ باتیں ہم اس لئے لکھتے ہیں کہ ہماری خوشی پوری ہوجائے"(۱۔یوحنا پہلاباب ۱تا ۴آیت)۔ انجیل جلیل کی کُتب کے مصنفوں کے الفاظ اس زندگی کے تجربہ کو بیان کرنے سے قاصر رہتے ہیں اوروہ ہر ممکن طورپر اس تجربہ کو ظاہر کرنے کے لئے الفاظ اورمحاورات وضع کرتے ہیں تاکہ کل دنیا پر یہ حقیقت روزروشن کی طرح منکشف ہوجائے کہ مسیح کل دنیا کی منجی ہے اورجو ابن اللہ کے قدموں میں آجاتے ہیں وہ " ازسر نوپیدا" ہوجاتے ہیں۔وہ "تاریکی سے نکل کر نور میں داخل ہوجاتے ہیں ۔ وہ نئے مخلوق ہیں اور نجات یافتگان کے گروہ میں شامل" ہوگئےہیں۔ مکاشفات کے مصنف پر پولوس رسول اور "پولوسی عقائد " کا رتی بھر اثر ثابت نہیں لیکن وہ نجات یافتگان کی رویا دیکھتے وقت نہ صرف اہل یہود کو ہی نجات یافتہ لوگوں کی صف میں دیکھتا ہے بلکہ دنیا کے ممالک کی اقوام کو بھی وہاں دیکھتا ہے اورلکھتاہے ۔" ان

باتوں کے بعد جو میں نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ہر ایک قوم اور قبیلے اور امت اور اہل زبان کی ایک ایسی بھیڑ جس کو کوئی شمار نہیں کرسکتا برے (سیدنا مسیح) کے آگے کھڑی ہے اور بڑی آواز سے کہتی ہے کہ نجات ہمارے خدا کی طرف سے ہے (مکاشفہ ۷: ۹)۔

بخوفِ طوالت ہم انجیل جلیل کی کُتب کے اقتباسات کرنے سے پرہیز کرتے ہیں کیونکہ اس موضوع پر اس کثرت سے آیات ہیں کہ اگر ہم ان کو نقل کرنے لگیں تو تمام انجیل کی انجیل ہم کو نقل کرنی پڑیگی۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے

جس شخص نے انجیل کی کُتب کی سطحی مطالعہ بھی کیا ہے اس کے لئے یہ ایک واضح اور روشن حقیقت ہے کہ انجیل جلیل کی ہر کتاب کا ہر صفحہ اس بات کا شاہد ہے کہ سیدنا مسیح کل دنیا کی اقوام کے نجات دہندہ ہیں۔ مسیحیت کی تبلیغ کے متعلق جو تعلیم اوراحکام ان کتب میں ہیں وہ صرف چند منتشر آیات پر ہی محدود نہیں ہیں بلکہ عہد جدید کے رگ وریشہ میں موجود ہیں۔ اس میں کوئی صحیفہ ایسا نہیں جس میں تبلیغی کام اور کوشش اور تبلیغی احکام ومساعی کا ذکر نہ ہو۔ پس انجیل جلیل کی تمام کتابیں اور صحیفے بیک آواز ہم کو بتلاتے ہیں کہ سیدنا مسیح کے حواری اور رسول جو ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے اورآپ کے خیالات جذبات احکام وہدایات سے کماحقہ واقف تھے یہی مانتے اور تعلیم دیتے چلے آئے کہ سیدنا مسیح دنیا کے تمام گنہگاروں کا نجات دینے والا ہے۔(۱ کرنتھیوں ۱۵ باب)۔

فصل پنجم
مسیحی کلیسیا کا طرزِ عمل

گذشتہ فصل میں ہم نے دیکھا ہے کہ انجیل جلیل کی کتب جو مسیحی کلیسیا میں ابتدا ہی مروج تھیں تبلیغ کے فرض کو بار بار ہر مسیحی کے کندھوں پر رکھتی ہیں۔ یہ کُتب اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ ابتدا ہی سے مسیحیت نے اور مسیحی کلیسیا نے تسلیم کیا ہے کہ سیدنا مسیح کی نجات کا پیغام دنیا کے ہر فرد بشر کے لئے ہے اور کلیسیا کا یہ فرض ہے کہ اس پیغام کو اکنافِ عالم تک پہنچائے۔

یہ امر نہایت معنی خیز ہے کہ بفرض محال اگر ابتدائی کلیسیا میں کوئی ایسی کتابیں یا رسالے تھے جن میں تبلیغی احکام اور تبلیغی فرض کا ذکر نہیں تھا تو ایسی کتابوں کی کلیسیا نے پروا تک نہ کی اور وہ گور عفلت میں ہی گل سڑ گئیں۔ اور کلیسیا ایسی کتابوں کی پروا کرتی بھی کیسے جب وہ اس کے منجئی کے اقوال، ہدایات، احکام لائحہ عمل اور طرز عمل کے عین نقیض تھیں اور اس کے رسولوں کے احکام، اقوال، تحریرات اور طریقِ عمل کی بھی مخالف تھیں۔ اگر بفرضِ محال ایسی کُتب کبھی معرض وجود میں آئیں تو کلیسیائے جامع نے ایسی کُتب کو متفقہ آواز سے رد کردیا اوران کو عہدِ جدید کی کُتب کے مجموعہ میں شرف شمولیت نہ ملا۔ عہدِ جدید کا وجود اس بات کا زندہ گواہ ہے کہ ابتدائی زمانہ ہی سے کُل کلیسیائے جامع یہ مانتی چلی آئی ہے کہ سیدنا مسیح کُل عالم کا منجی ہے اور مسیحیت ایک عالمگیر مذہب ہے جس کے اصول ہی ایسے ہیں جو عالمگیر ہیں۔ خدا کی محبت اور انسانی حقوق مسیحیت کی عمارت کے کونہ کے پتھر ہیں۔ انجیل کے معنی ہی خوشخبری ہے جو ہر شخص کے لئے ہے۔ اس کی نجات کے دائرہ سے کوئی ملک قوم، قبیلہ، جماعت یا فرد خارج نہیں ہے بلکہ وہ کل بنی نوع انسان پر حاوی ہے۔

کلیسیائے جامع اور عہد جدید کی تعلیم کے مطابق " غیر قوم "ہونا کسی کی قومیت پر منحصر نہیں کیونکہ یہ قومیت کا معاملہ نہیں بلکہ روحانی اور اخلاقی معاملہ ہے۔"غیر قوم" صرف وہی ہے جو دیدہ دانستہ جان بوجھ کر اپنے آپ کو خدائے قدوس کی محبتِ بیکراں سے علیحدہ رکھتا ہے۔

(۲)

مسیحیت کی عالمگیری کا ثبوت نہ صرف منجئی عالمین کے حواریوں نے ہی اپنی تعلیم اور طرزِ زندگی سے دیا بلکہ ابتدا سے لے کر دورِ حاضرہ تک ہر ملک اور قوم کی کلیسیاؤں نے غیر مسیحیوں کے پاس مبلغین بھیجے اور اپنے طرزِ عمل سے ثابت کردیا کہ وہ اپنے نجات دہندہ کے لائحہ عمل اور کلماتِ طیبات پر عمل پیرا ہے۔ مسیحی کلیسیا میں بیسیوں تفرقے اور بدعتیں پیدا ہوئیں لیکن تبلیغ دین اور انجیل جلیل کی اشاعت کے فرض کو سب کلیسیاؤں نے بیک آواز تسلیم کیا۔ یہ امر کسی زمانہ میں بھی کلیسیا کی تواریخ میں متنازعہ فیہ نہ ہوا۔ مشرق اور مغرب کی کلیسیائیں انجیل جلیل کی اشاعت کو موجب سعادت ہی خیال کرتی رہیں۔ چنانچہ ۱۵۰ء کے قریب جسٹن شہید لکھتا ہے کہ " ہم معقول وجوہ کی بنا پر مسیح یسوع کی پرستش کرتے ہیں کیونکہ وہ حقیقی خدا کا بیٹا ہے ۔ وہ اس کا اکلوتا بیٹا اور کلمتہ اللہ ہے۔ وہ کلام کی قوت سے خدا باپ کی مرضی کے مطابق ایک کنواری سے پیدا ہوا۔ وہ دانش کا کلام ہے جو خود خدا ہے وہ خدا کا کلمہ اور دانش اور طاقت اور جلال ہے۔"کوئی قوم اور ملت ایسی نہیں خواہ یونانی ہو یا وحشی یا کسی نسل کی ہو خواہ اس کا نام اور طریق رہائش کچھ ہی ہو خواہ وہ غیر مہذب ہو یا زراعت سے ناواقف ہو۔ خواہ وہ آباد بستیوں میں رہتی ہو یا خیمہ بدوش ہو غرضیکہ کوئی قوم اور کوئی قبیلہ ایسا نہیں رہا جس میں مسیح مصلوب کے نام سے تمام مخلوقات کے خالق اور باپ کے حضور دعا نہیں کی جاتی "یہی مصنف ہم کو بتلاتا ہے کہ ابتدائی کلیسیا میں تبلیغ کا کام صرف رسول ہی نہیں کرتے تھے بلکہ تمام کی تمام مسیحی کلیسیا مبلغین کی ایک عظیم الشان جماعت تھی۔

ابتدائی مسیحیت کو پھیلانے والے وہ لوگ تھے جن کا پیشہ تبلیغ کرنا نہ تھا بلکہ وہ اپنے مختلف پیشوں کے ذریعہ روٹی کماتے تھے لیکن چونکہ وہ رسولی جوش سے بھرے ہوئے تھے لہذا مسیحیت کے عظیم الشان مبلغ تھے۔ ان مبلغین کی مساعی کی وجہ سے کلیسیا کی عظیم الشان برادری اس قدر وسیع ہوگئی کہ دوسری صدی کا ایک مصنف لکھتا ہے کہ " مسیحیوں اور دوسرے انسانوں میں زبان یا رسوم یا ملک کا فرق نہیں وہ جداگانہ شہروں میں نہیں بستے۔ نہ تو ان کی کوئی خاص زبان ہے اور نہ ان کے معاشرتی تعلقات علیحدہ ہیں۔ وہ جس شہر یا ملک میں پیدا ہوتے ہیں وہیں بودوباش رکھتے ہیں ۔ ان کی خوارک، لباس اور طرز رہائش دوسرے انسانوں کی طرح ہے تاہم وہ کلیسیائی برادری اور مسیحی اخوت کو عجیب اور نرالے طورپر اپنی زندگیوں میں ظاہر کرتے ہیں ۔ وہ تمام باتوں میں اپنے شہری حقوق کو کام میں لاتے ہیں۔ لیکن اس طور پر زندگی بسر کرتے ہیں کہ اس دنیا کے ہو کر نہیں رہتے۔ وہ اپنے ملک میں پردیسیوں کی مانند بستے ہیں اور پردیس ملک کو اپنا ملک تصور کرتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی کو اس ملک میں بسر کرتے ہیں لیکن ان کا حقیقی وطن آسمان ہے۔ یہوداُن پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ یونانی ان کو ایذائیں پہنچاتے ہیں لیکن ان کے دشمن اپنی دشمنی کی وجہ بیان کرنے سے قاصر ہیں جس طرح روح بدن کے ہر حصے میں موجود ہے اسی طرح مسیحی بھی دنیا کے ہر شہر میں موجود ہیں لیکن جس طرح روح بدن کا حصہ نہیں ہے اسی طرح مسیحی دنیا میں رہتے ہیں لیکن دنیا کے ہو کر نہیں رہتے[1] ۔ آئرنیوس (Irenaeus) ۱۳۳ تا ۲۰۳ء نہایت صاف اور واضح الفاظ میں مسیح کی عالمگیری اورلاثانی ہستی کی نسبت لکھتا ہے ۔ "ایک خدا ہے جو قادر مطلق ہےاور ایک یسوع مسیح جو خدا کا اکلوتا بیٹا ہے جس کے ذریعہ تمام چیزیں بنیں اور جو تمام چیزوں کا بنانے والا

[1] Epistle to Diognetus, Chaps.5–6

ہے۔ وہ حقیقی نور ہے جو ہر ایک آدمی کو روشن کرتا ہے۔ اگر کوئی ان حق باتوں کو نہیں مانتا تو وہ منجئی کی تحقیر کرتا ہے اور اپنی نجات کا آپ ہی دشمن ہے۔"

ہم ابتدائی مسیحیوں کی تصنیفات اورآبائے کلیسیا کی تحریرات سے بیسیوں ایسے اقتباسات پیش کرسکتے ہیں جو اس امر کے شاہد ہیں کہ ابتداہی سے کلیسیا نے سیدنا مسیح کی عالمگیریت کو مانا اور آپ کو خدا کا ابن وحید اور منجئی عالمین جانا اوراس بات پر پختہ ایمان رکھا کہ جو مکاشفہ خدا نے کلمتہ اللہ کے ذریعہ بنی نوع انسان کوعطا فرمایا ہے وہ قطعی ہے اور تمام عالم کے لئے ہے اور کہ اس مکاشفہ کے اصول ابدی اور لاتبدیل ہیں جو زمان ومکان کی قیود سے آزاد ہونے کی وجہ سے ہر قوم اور ہرملت کو صراطِ مستقیم پر چلاتے ہیں۔

(۳)

کلیسیا ان باتوں کو محض زبانی جمع خرچ کے طور پر تسلیم نہیں کرتی تھی۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ " مسیحیت کے بیشمار اور کامیاب مبلغ صرف وہ نہ تھے جو مسیحیت کے پرچارک اور معلم تھے بلکہ مسیحی جماعت کے افراد اپنے ایمان کی زبردست طاقت کی وجہ سے اس کے نہایت کامیاب اور شاندار مبلغ تھے۔ اس مذہب کا یہ خاصہ تھا کہ ہر شخص جو مسیح کو اپنا نجات دہندہ مانتا تھا دوسرے لوگوں میں اس کا پرچار کرتا تھا۔ ہر مسیحی کو حکم تھا کہ وہ اپنی روشنی اسطرح چمکائے کہ بُت پرست اس روشنی کو دیکھ کر قبول کریں[1]۔ اس جرمن عالم کے الفاظ درحقیقت تمام ممالک کی کلیسیاؤں پر چسپاں ہوسکتے ہیں۔ ہر زمانہ میں گمنام مسیحیوں نے مختلف ممالک میں مسیحیت کی اشاعت کی، تاریخ ان کے ناموں سے واقف نہیں لیکن ان کے کام دفترِ حیات میں لکھے ہیں۔ ان گمنام مبلغین نے زبردست کلیسیاؤں کو قائم کیا۔ مثال کے طور پر ہم نہیں جانتے کہ شامی کلیسیا کی بنیاد کس نے رکھی لیکن یہ ہم جانتے ہیں کہ اس

[1] Harnack, Expansion of Christianity

کلیسیا کے مبلغین دُور ودراز کے ممالک مثلاً جنوبی ہندوستان اور چین تک پہنچ گئے تھے۔ ہم یہ نہیں جانتے کہ سکندریہ میں کس نے مسیحیت کی اشاعت کی لیکن یہ ہم جانتے ہیں کہ یہ کلیسیا علم وفضل کے لحاظ سے یگانہ روزگار تھی۔ ہم نہیں جانتے کہ روم میں کس نے مسیحیت کی بنیاد ڈالی لیکن یہ ہم جانتے ہیں کہ رومی کلیسیا ابتداہی سے کلیسیائے جامع کی زبردست شاخ رہی ہے۔ ہر مسیحی مسیحیت کی اشاعت کواپنافرض اولین خیال کیا کرتا تھا۔ چنانچہ ۱۹۷ء میں ٹرٹولین لکھتا ہے کہ " ہم بہ مقابلہ دیگر مذاہب باطلہ کے ابھی کل کے بچے ہیں لیکن ہم نے شہروں، جزیروں، خیموں اور بازاروں کو معمور کررکھا ہے۔ ہماری کوششوں کی وجہ سے اب صرف خالی مندر ہی تمہارے پاس رہ گئے ہیں۔" غرضیکہ دوسری صدی کے آخر تک مشرقی کلیسیا کے نامور اور گمنام مبلغین مغرب کی انتہا تک ہر صوبہ میں گئے۔ انہوں نے اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھا ان سرفروش صلیب کے جان نثاروں نے سفر کی تکلیفوں، زمانہ کی صعوبتوں، بادشاہوں کی ایذا رسانیوں کی پروا تک نہ کی اورآج مغربی ممالک کی کلیسیاؤں کاوجود مشرقی کلیسیاؤں کی انہی مساعی کا نتیجہ ہے۔

بے خطر کُود پڑاآتشِ نمرود میں عشق
عقل تھی محو تماشائے لبِ بام ابھی

اسی طرح دورِ حاضرہ میں مشرقی ممالک کی کلیسیاؤں کاوجود مغربی کلیسیاؤں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ راسخ الاعتقاد کلیسیاؤں نے اپنے مبلغین کو دُوردراز کے ممالک میں بھیجا جو کوہ ودشت وبیابان اور سنگلاخ پہاڑوں میں سے گذر کر دشوار گذار راستوں کو طے کرکے دنیا کے ہر ملک میں پہنچے اورانہوں نے ہر قوم کو کلمتہ اللہ کی تعلیم اور نجات کے پیغام کے نور سے منور کردیا۔

ع   کہ خون صد ہزار نجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

(۴)

بدعتی کلیسیائیں بھی جیسا ہم ذکر کرچکے ہیں مسیحیت کی اشاعت میں سرگرم رہیں۔ مثال کے طور پر ہم یہاں صرف ایک بدعتی کلیسیا یعنی نسطوری کلیسیا کا ذکر کرتے ہیں جس کے زیر اثر رسول عربی نے روحانی تعلیم اور تربیت پائی تھی۔ مورخ نیل ہم کو بتلاتا ہے کہ نسطوری مسیحیوں نے اپنے خیمے خانہ بدوش تاتاریوں کے خیموں میں جا نصب کئے ۔ تب کالاان کے منہ کی باتوں سے ہراساں تھا۔ پنجب کے چاولوں کے کھیتوں میں وہ انجیل کی منادی کرتے تھے۔ بحرِ آرال کے مچھلی پکڑنے والے ان سے تعلیم پاتے تھے۔ منگولیا کے لق دوق بیابان میں سے وہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر گذر گئے ۔ مشور سنگن فوکے کتبہ جات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ انہوں نے مسیحیت کے لئے چین کو فتح کرلیا تھا۔ ہندوستان کے ملیالی راجے ان کے دینی اختیار کی عزت کرتے تھے۔ گیارھویں صدی میں نسطوری بطریق کا اختیار اس قدر وسیع تھا کہ اس کے ماتحت پچیس صدر اسقف تھے جان کا اختیار چین سے لے کر دجلہ تک اور جھیل بیکال سے لے کر راس کماری تھا۔"

(۵)

اگرچہ دورِ حاضرہ میں مسیحیت بیسیوں فرقوں پر مشتمل ہے لیکن ان فرقوں میں سے ایک فرقہ بھی آپ کو ایسا نہ ملیگا جو یہ تسلیم نہ کرتا ہو کہ اس کی ہستی کا واحد مقصد اور علت غائی یہی ہے کہ دنیا کو اپنے منجی کے قدموں میں لائے۔ آج دنیا کا کوئی ملک اور کوئی قوم ایسی نہیں رہی جس میں مسیحی کلیسیا تبلیغ کے کام کو سرانجام نہ دیتی ہو۔ فی زمانہ مسیحی کلیسیا نے بائبل شریف کا ترجمہ ایک ہزار زبانوں میں کرکے صلیب کے لاکھوں علم برداروں کو دنیا کے ہر ملک صوبہ شہر بلکہ گاؤں گاؤں میں بھیجا ہے تاکہ دنیا کے تمام ممالک اور نوع انسانی کی کل اقوام کو نجات کا علم ہوجائے اوراس مبارک مقصد کی خاطر کروڑہا بلکہ ارب ہا روپیہ ہرسال نثار کردیتی ہے تاکہ وہ کسی نہ کسی طرح اپنے تبلیغ کے فرض کو پورا کرے اور ہر فرد بشر کو منجئی کونین کی جانفزا نجات کا مژدہ مل جائے۔

فصل ششم

قرآن اور مسیحیت کی عالمگیری

سطور بالامیں ہم نے اہلِ اسلام اور دیگر غیر مسیحیوں کو مخاطب کرکے ثابت کردیا ہے کہ کلمتہ اللہ کی تعلیم عالمگیر ہے اور آپ منجئی عالمین اور رحمتہ للعالمین ہیں۔ اب ہم خاص اہل اسلام سے مخاطب ہو کر انشاء اللہ قرآن سے ثابت کرینگے کہ خدا نے خاص قوم یہود کو چن لیا تھا تاکہ اس کے ذریعہ دنیا کو خدا کا علم حاصل ہو اور مسیحی کُتب مقدسہ تمام جہان کی ہدایت کے لئے ہیں اور مسیحیت کا پیغام اہل یہود تک ہی محدود نہیں بلکہ کلُ بنی نوع انسان کے لئے ہے۔

ان امور کو ہم نے مسیحی کُتب مقدسہ سے ثابت کیا ہے اور چونکہ قرآن مسیحی کُتب مقدسہ کا مصدق ہونے کا دعویٰ کرتا ہے لہذا وہ ہمارے مذکورہ بالا نتائج کی بھی تصدیق کرتا ہے۔

(۱)

ہم نے فصل دوم وسوم میں اس امر کو منقولی اور معقولی دلائل سے واضح کیا ہے کہ خدا نے قوم یہود کو چن لیا تھا تاکہ وہ وہ تمام دنیا پر خدا کے علم اور توحید کو پھیلائے۔ اس حقیقت کو قرآن ان الفاظ میں بیان کرتا ہے " اور بالتحقیق ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکم اور نبوت عطا کی ۔ اوران کو تمام عالم پر فوقیت دی"(جاشیہ آیت ۱۵)۔"اے بنی اسرائیل میرے اس فضل کو یاد کروجومیں نے تم پر کیا اور یہ کہ سارے جہان کے لوگوں پر میں نے تم

کو فضیلت بخشی "(بقر آیت ۴۴)۔ ہم نے آل ابراہیم کو کتاب دی اور علم بخشا "(نسا ۵۲)۔ بالتحقیق ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا اور دونوں کی اولاد میں پیغمبری رکھی "(حدید ۲۶)۔ " ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب دیا اور اس کی اولاد میں نبوت اور کتاب کو رکھا "(عنکبوت ۲۷)۔ کیا کوئی شخص ان الفاظ سے زیادہ واضح الفاظ میں ہمارے ان قضایا کی تصدیق کرسکتاہے کہ بنی اسرائیل کوخدا نے تمام اقوام پر فوقیت بخشی اوران میں اپنا علم ودیعت فرمایا۔ ان کی اولاد کو رسالت ، نبوت اور کتاب عطا فرمائی تاکہ ان کے ذریعہ اقوام عالم خدا کی معرفت اور علم کو حاصل کریں؟

(۲)

ہم نے اس رسالہ کی فصل دوم میں لکھا تھا کہ یہودی انبیا کا مطمع نظر یہ تھا کہ ان کی کُتب مقدسہ تمام غیر یہود کے لئے " نور " ہیں اور ان کے وسیلے خداوند کی " نجات دنیا کے کناروں تک " پہنچیگی (یسعیاہ ۴۹: ۶)۔ اور کہ " اسرائیل قوموں کے درمیان برکت کا باعث ٹھہریگا"(۱۹: ۲۳تا ۲۵)۔ قرآن اس حقیقت کا اعتراف مختلف مقامات میں نہایت صاف اور واضح الفاظ میں کرتا ہے۔ ہم اختصار کومد نظر رکھ کر صرف چند مقامات کا حوالہ دیتے ہیں" بالتحقیق ہم نے موسیٰ کوہدایت دی اور وراثت دی۔ بنی اسرائیل کو کتاب دی جو سمجھ والوں کو راہ دکھلانے والی اور یاد دلانے والی ہے"(مومن ۵۵)۔ "پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو احسن بات پر کامل ہے اور ہر شے کی تفصیل اورہدایت اوررحمت ہے"(انعام ۱۵۵)۔" بالتحقیق ہم نے اتاری تورات جس میں ہدایت اور نور ہے"۔

پس قرآن منجئی عالمین کے اس قول کا مصدق ہے کہ " نجات یہودیوں میں سے ہے"(یوحنا ۴: ۲۲)۔ قرآن نہایت واضح اور غیر مبہم الفاظ میں اپنے پیروؤں کو بتلاتا ہے کہ خدا نے آلِ ابراہیم میں نبوت اور کتاب رکھی جو ہدایت ہے۔ رحمت ہے، نور ہے۔ وہ دنیا جہان کو راہ دکھلانے والی ہے تاکہ اس کے ذریعہ ساری مخلوق خدا کا علم حاصل کرے اور اس کی

نجات دنیا کے کناروں تک پہنچ جائے۔ ناظرین نے یہ نوٹ کیا ہوگا کہ قرآن مجید یہود کی کُتب مقدسہ کے لئے وہی الفاظ استعمال کرتاہے جو صحائف انبیاء میں وارد ہوئے ہیں یعنی" نور " اور "ہدایت"۔

(۳)

اب ہم قرآن مجید سے یہ ثابت کرینگے کہ کتاب مقدس تمام دنیا کے لئے نور اور ہدایت ہے اور کہ وہ نہ صرف اہل یہود کے لئے ہی نور اور ہدایت ہے بلکہ تمام دنیا کی اقوام کے لئے نور ہے اور کہ بائبل مقدس کے احکام کلُ بنی نوع انسان پر حاوی ہے۔" وہ کتاب جو موسیٰ لایا بنی نوع انسان کے لئے نور اورہدایت ہے" (انعام ۹۶)۔ " ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو بنی نوع انسان کے لئے بصیرت ہدایت اوررحمت ہے شاید کہ وہ لوگ نصیحت قبول کریں "(قصص ۴۳)۔ " بالتحقیق ہم نے موسیٰ اورہارون کو فرمان دیا جو خدا پرستوں کے واسطے نور اور نصیحت ہے"(انبیاء ۴۹)۔ اورمبادا مسلمان یہ خیال کریں کہ یہ کُتب سماوی ان کے واسطے نہیں قرآن کہتا ہے " اے ایمان والو۔ ایمان لاؤاللہ پر اوراس کے رسول پر اور اس کتاب پر جواس نے رسول پر اتاری اوراس کتاب پر جو اس سے پہلے اتاری اور جو کوئی منکر ہوا اللہ سے اس کے فرشتوں سے ، اور اس کی کتابوں سے اوراس کے رسولوں سے وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا" (نسا ۳۵)۔ اے پیغمبر ، ایمان داروہ ہیں جو اس پر یقین کرتے ہیں جو تجھ پر اترا اور جو تجھ سے پہلے اترا۔ " مسیحی کتب مقدسہ نہ صرف اہل اسلام کے لئے ہی مستند ہیں اوران پر ہی ان کتابوں کے احکام کی بجاآوری لازم ہے بلکہ خود رسول عربی ان کتب مقدسہ کے احکام پر چلنا موجب سعادت خیال فرماتے تھے۔" اے پیغمبر توکہہ (اے منکرو) اگر تم سچے ہو تو اللہ کی طرف سے کوئی ایسی کتاب لاؤ جوہدایت میں ان دونوں (قرآن و تورات) سے بڑھ کر ہو تو میں اسی پر چلنے لگوں گا۔"(قصص ۴۹)۔ بلکہ قرآن میں اللہ نے آنحضرت کو حکم دیا ہے کہ اگر تو اس کی طرف سے جوہم نے تیری طرف اتاری شک میں ہے تو ان سے پوچھ جو تجھ سے پہلے

والی کتاب (بائبل) پڑھتے ہیں۔ بالتحقیق تیرے پاس رب سے حق آیا ہے پس تو شک کرنے والوں میں سے مت ہو"(یونس ۹۴)۔ کیا اس سے زیادہ زبردست شہادت ممکن ہوسکتی ہے؟ ان چند اقتباسات سے ظاہر ہے کہ مسیحی کُتب مقدسہ نہ صرف اہل یہود کے لئے بلکہ کلُ بنی نوع انسان کے لئے۔ دنیا جہان کے پرہیزگاروں کے لئے، اہل اسلام کے لئے اور پیغمبر اسلام کے لئے ہدایت، رحمت اور نصیحت ہیں جن کے احکام کی بجاآوری ہر مومن مسلمان پر فرض ہے۔

ہمارے بعض مسلم برادران اپنے ہم مذہبوں کو قرآن کی مخالفت میں کتاب مقدس کے مطالعہ سے یہ کہہ کر روکتے ہیں کہ بائبل شریف محرف ہوگئی ہے لیکن یہ دعویٰ سراسر باطل اور بے بنیاد ہے۔ ہم نے اپنی کتاب" صحتِ کتبِ مقدسہ" میں یہ ثابت کردیا ہے کہ کتاب مقدس کی صحت لاجواب ہے۔ اور اس ثبوت میں ہم نے تاریخی دلائل دی ہیں۔ ہم کو امید ہے کہ اس کتاب کو غور سے پڑھینگے اور دیکھینگے کہ کتاب مقدس کی صحت کے بارے میں تاریخ قرآن کی مصدق ہے۔

(۴)

اب ہم قرآن مجید سے ثابت کرینگے کہ سیدنا مسیح کا پیغام اہل یہود تک محدود نہ تھا بلکہ کل دنیا کی اقوام کے لئے تھا۔ سورہ مومنین میں وارد ہے" بالتحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب اس غرض سے دی کہ لوگ اس سے ہدایت پائیں اور ہم نے مریم کے بیٹے اوراس کی ماں کو (اپنی قدرت کی) نشانی بنایا"(آیت ۵۱ ترجمہ نذیر احمد)۔ یہ ظاہر ہے کہ خدا کی نشانیاں صرف اہل یہود تک ہی محدود نہیں ہوسکتیں کیونکہ وہ تمام کائنات کے لئے ہیں۔ پس اس آیہ شریفہ کا یہ مطلب ہے کہ ابن مریم آیت اللہ ہیں اور کل جہان کے لئے خدا کی قدرت کی نشانی تمام زمانوں کے لئے ہیں تاکہ آپ کے ذریعہ خدا کی قدرت کا ظہور بنی نوع انسان پر ہو۔ تب ہی قرآن کہتاہے کہ " جو لوگ اللہ کی نشانیوں سے منکر ہوئے ان کے واسطے سخت عذاب ہے "(عمران ۴)۔

منجئی جہاں کے عالمگیر مشن کے متعلق قرآن مجید کہتا ہے کہ " اے پیغمبر خدا نے تم پر یہ کتاب برحق اتاری جو ان آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوچکی ہیں اوراسی نے اس سے پیشتر بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے تورات اورانجیل کو اتارا"(عمران ۲)" ہم نے عیسیٰ کو انجیل دی جس میں ہدایت اورروشنی ہے تو تصدیق کرتی ہے تورات کی اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے "(مائدہ ۴۵)۔ یہاں واضح الفاظ میں صراحت کے ساتھ اس حقیقت کا اقبال کیا گیاہے کہ انجیل جلیل کا پیغام نہ صرف اہل یہود کے لئے ہی تھا بلکہ کل اقوام عالم کے پرہیزگاروں کے لئے ہے خدا نے اس کو نہ صرف پرہیزگاروں کے لئے نازل کیا تھا بلکہ بنی آدم کے لئے نازل کیا تھا لہذا کل بنی نوع انسان پر فرض ہے کہ اس پرایمان رکھیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے کہ " تم کہو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور جو نازل ہوا ہم پر اور ابراہیم اوراسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اسرائیلی فرقوں پر اور جوملا عیسیٰ کو اور موسیٰ کو اور نبیوں کو۔"

کیا مسیحیت کی کتابوں اور کلمتہ اللہ کے پیغام کے عالمگیر ہونے کی شہادت اس سے زیادہ زبردست ہوسکتی ہے کہ خود سیدنا مسیح آیت اللہ، روح اللہ، کلمتہ اللہ قراردیئے جائیں۔ مسیحی کُتب مقدسہ بنی نوع انسان کے لئے عموماً اوراقوام عالم کے پرہیزگاروں کے لئے خصوصاً ہدایت، امام، رحمت، نور، نصیحت وغیرہ قرار دی جائیں اورمومنین اورمومنات پر ان کے احکام کی تبعیت فرض کردی جائے چنانچہ سورہ مائدہ میں ہے کہ ومن لمہ یحکمہ بما انزل اللہ فاولئک ھمہ الکافرون۔ یعنی جو شخص خدا کی نازل کردہ کتاب پر عمل نہیں کرتا وہ کافر ہے۔ امام رازی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس جملہ میں لفظ" من" شرط کی جگہ پر واقع ہوا ہے لہذا اس کا اطلاق بالعموم سب پر ہے۔" اب بھی اگر کوئی

مومن مسلمان کلمتہ اللہ کی عالمگیری کو نہ مانے تو وقت سے کہ وہ اس نکتہ کو قرآن سے سمجھ لے
ورنہ قرآن اس سے سمجھ لے گا۔ ع

اگر اب بھی نہ سمجھو تو پھر تم کو خدا سمجھے

وَمَاَ عَلَینَاَ اِلاالبلاَغ